مالیاتِ عامّہ

اور

ہمارے افلاس کے اسباب

از

جے ۔ سی ۔ کماں رپّا

ایم ۔ اے ۔ بی ۔ ایس سی ۔

مترجمہ

قاضی محمد حسین

مکتبہ جامعہ

دہلی ۔ لاہور ۔ لکھنؤ

طبع دوم ۱۹۳۸ء ۱۰۰۰
(مطبوعہ جید برقی پریس دہلی)

فہرست مضامین

صفحہ

فہرست تتمہ جات

معنون

وہ، جو دھوپ اور گرمیوں کی مصیبت اُٹھاتے ہیں۔
جن کا، اسراف یہ ہے کہ وہ دنیا کی مسرف ترین حکومت
کا بار اُٹھائے ہوئے ہیں۔
جن کی، سخاوت اس میں مضمر ہے کہ وہ اپنے بیوی بچوں
کا پیٹ کاٹ کر مالیہ ادا کرتے ہیں۔
اور جو، اپنے کندھوں پر برطانیہ کی عظمت کا بوجھ
اُٹھائے ہیں۔
ان کے نام پر یہ کتاب
معنون
کی جاتی ہے

"بیلوں کے کھوتھنے نہ باندھو جب وہ تمہاری ؟ کر رہے ہوں"

کماں رپّا

ہدیہ

میں اپنے ترجمے کی اس ناچیز کوشش کا

ہدیہ

اپنے محبّ محترم اور ہم نام برادر گرامی

جناب آغا صاحبؒ سید محمد حسین صاحب

کی خدمت گرامی میں

پیش کرتا ہوں

مترجم

محمد حسین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گذارشات

بُرا یا بھلا آخر یہ ترجمہ بھی مرتب ہوگیا اور اس کام میں میری صلاحیت سے زیادہ شوق نے میری رہبری کی ہے پھر بھی مجھ کو اس کا افسوس ہے کہ اس کے ترجمہ کی طرف لایق اہل قلم کیوں نہ متوجہ ہوئے۔

میری زندگی کے مشاغل تصنیف و تالیف سے مختلف ہیں۔ ایسی صورت میں ترجمہ قدرتاً بہت سست ہوا اور یہ مجرمانہ جرأت اپنی زندگی میں میں نے پہلی بار کی ہے۔ شاید یہ ترجمہ شائع ہی نہ ہوتا اگر عزیزی مولوی عبدالقدوس صاحب ہاشمی ندوی جنہوں نے ترجمہ کا مسودہ دیکھنے کے لئے لیا تھا، بلا استفسار میرے مسودہ کو پریس میں کتابت کے لئے نہ دیدیتے۔ پس میری اس جرأت

کی ذمہ داری خالصتہً مجھ ہی پر نہیں بلکہ ایک بڑی حد تک عزیز محترم پر بھی ہے۔

مصنف نے اپنی عنایت سے مجھے اس کتاب کے ترجمہ اور اشاعت کی اجازت دی ہے اور مجھے اس امر سے بھی مطلع کیا ہے کہ کتاب کے ہندی گجراتی تیلنگو میں ترجمے ہو چکے ہیں اور اسپرنٹو Sperauto میں بھی اس کا ترجمہ ہو رہا ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے ناظرین پر یہ امر بہر حال واضح ہو جائے گا کہ ہندوستان کے افلاس کا صحیح علاج کن صورتوں سے ہو سکتا ہے اور کم از کم "محض قانون سازی" سے تو یہ مصیبت کسی طرح بھی دور نہیں ہو سکتی۔ چند اشخاص کے تونگر ہو جانے سے ملک کسی طرح خوشحال نہیں کہلا سکتا بلکہ اصلی خوشحالی اس میں مضمر ہے جب ملک کا غریب ترین انسان بھی دو وقت پیٹ بھر کر روزانہ کھا لیا کرے۔

میری محنت ٹھکانے لگ جائے گی اگر اردو خواں اصحاب میرے ترجمہ کے مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچ جائیں اور اس اصلی اور حقیقی مقصد کے حصول کے لئے کوشاں ہو جائیں جس کے

بعد ملک کی ساری اقتصادی مشکلات کا حل ہو جانا قطعی اور یقینی ہے۔

ان معروضات کے بعد یہ ترجمہ پبلک کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اس کی عبارت اس کی مقتضی ہے کہ کتاب بہت توجہ اور غور کے ساتھ پڑھی جاوے۔ مصنف نے دریا کو کوزہ میں بند کرنے کی کوشش کی ہے اس کے مختصر جملوں میں جہانِ معنی پنہاں ہیں۔ ترجمہ میں مصنف کے خیالات کو ادا کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ ناظرین ہی اس کا اندازہ کرسکتے ہیں کہ انہیں کہاں تک کامیابی نصیب ہوئی ہے۔

محمد حسین

ڈاکخانہ نرہٹ۔ ضلع گیا۔ مورخہ ۱۲ر جون ۱۹۳۲ء

دیباچہ

بعض لوگوں کا خیال ہوگا کہ قارئین اس مضمون کے مطالعہ میں اُن حدود کو قائم نہیں رکھیں گے جو مضمون اور عنوان سے ظاہر ہوتا ہے اور ایسے نتائج اخذ کئے جائیں گے جو مصنف کے منشاء سے باہر ہیں۔

بنابریں میں شروع ہی میں ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا مقصد نہ محض افلاس ہند کے اسباب کی تفصیلی تحقیقات ہے اور نہ یہ ہے کہ اُس کے بُرے نتائج کی ذمہ داری کسی کے سر ڈال دوں بلکہ میں نے صرف اس قدر واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ مالیات عامہ کو بے عقلی سے صرف کرنے کا کس قدر افسوسناک نتیجہ ہوسکتا ہے تاکہ اس تنقید سے بہتر نتائج مرتب ہوسکیں۔ میں نے اس لئے ان تمام اسباب سے جو ہندوستان کی فلاکت کے سبب ہوگئے سروکار نہیں رکھا ہے۔ وہ حالات و اسباب جن سے ملک کی یہ حالت ہوگئی ہے ہرچند کہ بہت ہی سبق آموز اور دلچسپ ہیں مگر اس مختصر کتاب میں اُن مضامین کا آنا مشکل ہے اور اسی وجہ سے مالیات ہند

سے کے محدود دائرے سے باہر میں نے اپنی کتاب کے مضامین کو نہیں جانے دیا ہے۔ اس کتاب میں زمانہ ماضی کے حالات پر بحث نہیں کی جائے گی، مگر ان تاریخی حالات پر بحث اور تبصرہ کے لئے ایسے قدیم حوالوں کا استعمال کرنا یقینی اور ضروری ہو گیا ہے جو بظاہر بہت فرسودہ معلوم ہوتے ہیں مگر ایسا کرنا ناگزیر ہو گیا ہے کیونکہ اسی کتاب میں اس قدیم سیاسی پولیسی پر تبصرہ اور بحث ہے جس نے ہندوستان کی اقتصادیات پر اسقدر دیر پا اثر ڈالا ہے کہ اس کے اثرات اِس وقت تک کارفرما ہیں۔
میں نے اپنے فیصلوں کو بجائے بحث و استدلال پر قائم رکھنے کے جیسا کہ ہمارے وزیر مالیات کیا کرتے ہیں، نتائج پر محمول رکھا ہے۔ اسی باعث میں نے بجائے موجودہ سیاسیات پر بحث کرنے کے گذشتہ سیاسی فیصلوں اور ان کے نتائج پر تبصرہ کیا ہے۔ مثالاً میں نے روئی کی چُنگی کا ذکر کیا ہے جو ہمارے پارچہ بافی کی صنعت کے لئے بیحد نقصان رساں ہو گئی۔ میرے سامنے طریقہ کار کی بہتری اور خرابی کا معیار وہ نتائج ہیں جو ان طریقوں پر عمل کرنے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جب اشد ضروریات سامنے ہوں تو اس وقت ان غیر جگہوں پر مالیات کا صرف جو خواہ کسی قدر مفید اور کارآمد کیوں نہوں، مگر اس کی اس قدر شدت کی مانگ موجود نہ ہو، روپیہ کو غلط طریقہ پر صرف کرنیکا مرادف ہو گا۔ جب لوگ بھوک سے مر رہے ہوں تو اس وقت غذا اور اس کے حاصل

کرنے کے وسائل کی طرف توجہ کرنا، تعلیم پر روپیہ صرف کرنے سے زیادہ ضروری ہے اور اس وقت ریلوے اور اچھی سڑکوں پر روپیہ خرچ کرنا محض بے سود ہے۔ ریلوے بنانے سے پہلے یہ سوچنا ضروری تھا کہ خرچ کا اندازہ کیا ہوگا، کس کام آئیگا اور باشندگان ملک کا کون سا حصہ مستفید ہوگا۔ اگر غربا کے فوائد کو چھوڑ کر یہ سارے انتظامات اگر غیر ملکی سرمایہ داروں اور مستحصلین (Exploiter) کے لئے کئے گئے ہیں تو بجائے اس کے کہ اس پر کسی طرح کا بجا فخر کیا جائے یہ ہندوستانی نظام حکومت پر ایک بدنما داغ ہے۔

بہر حال یہ مباحثے بھی جن پر میں نے قلم اٹھایا ہے بے حد وسیع ہیں۔ اس مختصر رسالہ میں ان کو جمع کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس رسالہ میں محض چند اصولی مباحث پر ہلکی روشنی ڈالی گئی ہے جو تحقیقات کے لئے مفید و سہل راہ کا کام دے سکتے ہیں۔ اصول یہ اختیار کیا گیا ہے کہ اپنے فیصلوں کی تائید میں مسلمہ مصنفین کے حوالے دئے جائیں۔

اس کتاب میں ۱۹۲۶ء و ۱۹۲۷ء کے اعداد و شمار سے کام لیا گیا ہے اور کتاب کو مفید نقشوں سے زیادہ دلچسپ بنا دیا گیا ہے جو تمثلوں کی صورت میں کتاب کے آخر میں موجود ہیں۔

یہ کتاب میں نے اس وقت تیار کر لی تھی۔ جب پروفیسر ای آر اے سلگمین کی شاگردی میں کولمبیا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہا تھا اور ہندوستان

آنے پر ینگ انڈیا کے صفحات میں ساری کتاب مختلف ٹکڑوں میں سنہ ۱۹۲۹ء اور جنوری سنہ ۱۹۳۰ء میں شائع ہو چکی ہے۔ لوگوں کے مطالبہ پر کتابی صورت میں بھی یہ رسالہ شائقین کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔

جے۔ سی۔ کماں رپّا

فصل اوّل

مالیات عامہ قومی فلاح و بہبود میں جس قدر ممد و معاون ہوسکتا ہے، حقیقت میں حکومت کا کوئی دوسرا شعبہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا یہی ایک قوم کی طاقت کا بہترین سبب ہوسکتا ہے۔ جب اس کا انتظام کسی وطن پرور شخص کے ہاتھ میں ہو اور پھر اگر اسی محکمہ کو غلط طریقہ پر چلایا جائے تو قوم کی تباہی کا بھی موجب ہوجائیگا۔ مثل دیگر طاقتور حربوں کے اس علم کا استعمال بھی فائدہ اور نقصان کے پیدا کردینے کا موجب ہوسکتا ہے اور اسی لئے اس محکمہ کا انتظام آزمودہ دوستوں ہی کے ہاتھ میں رہنا چاہئے۔

حکومت اسی محکمہ کی مدد سے ملک کے قدرتی ذرائع آمدنی کو نشوونما دیتی ہے، جن کے مالکان شخصی اپنی کوتاہ نظری کے باعث اُن قدرتی

ذرائع کو جلد تباہ اور خالی کر دیتے ہیں۔ حکومت کا دستور ہے کہ حالات کی جانچ وسعت نظری سے کیا کرے کیونکہ وہ طویل انتظار کو برداشت کر سکتی ہے۔ حالانکہ افراد اپنی محدود زندگیوں کے باعث، دولت کے حصول کی خواہش میں، ان نقصانات کو نظر انداز کر دیے سکتے ہیں جو ملک کے قدرتی ذرائع آمدنی کے نقصان کے باعث آئندہ نسلوں کو پہنچ سکتا ہے۔ زراعت کے بڑھانے اسڑکیں نکالنے اور تیل کے چشموں سے جلد از جلد تیل حاصل کرنے کے لئے، حکومت امریکہ کا ساگوان کے جنگل کو جلا دینا، اس نقصان کی ایک نمایاں مثال ہے جو ایک قوم ہی کو نہیں بلکہ دنیا کو پہنچ سکتا ہے کیونکہ ساری دنیا ایک اقتصادی شیرازہ بندی میں متحد ہو گئی ہے اور ایک خطہ ارض کا نقصان، سارے دنیا کا نقصان متصور ہوتا ہے بس فن مالیات حاضرہ اُن لوگوں پر شدید ذمہ داری عاید کرتا ہے، جن کے افعال اس قدر وسیع الاثر نتائج پیدا کر سکتے ہیں۔

اُس حالت تغیر اور انقلاب میں جب قوم ایک دور سے دوسرے دور میں پہنچ رہی ہو یعنی جب ایک زرعی قوم صنعتی ہو رہی ہو اور دستکاری کی جگہ مشین لے رہی ہوں، تو ایک کامیاب حکومت کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اقتصادی کوششوں کو ایسے صحیح راستوں پر لگائے کہ قومی پیداوار

کو نقصان نہ پہنچ جائے، بلکہ اُس کی پیداوار کی طاقت کو اور بڑھا دے
اور اس تغیر و تبدل کے دوران میں کوئی اقتصادی زیان نہ ہو یہ اسی
صورت میں کامیاب بنایا جا سکتا ہے کہ حکومت مختلف صنعتی و تجارتی
تجربوں پر روپیہ صرف کرے اور اُن کے کامیاب نتائج سے ملک کو
روشناس کرے یا پھر بیرونی تجارت پر ایسی ہوشیاری کے ساتھ محصول
لگائے جو کمزور دیسی صنعتوں کی حفاظت اور ترقی کا موجب ہو، اور
مضبوط اور منظم تجارت خارجہ کا مقابلہ کر سکے۔ ایسا ہی کیا
جا سکتا ہے کہ حکومتی امداد کے ذریعہ سے کمزور صنعتوں کو ان کے ابتدائی
دور میں بچا لیا جائے تاکہ طاقتور ہو کر مقابلہ کے لائق ہو سکیں۔ ایسی ہی بہتر
رہبری نگہبانی اور امداد سے لوگوں کے لئے حصول دولت کے مختلف
متوازی راستے نکل آئیں گے۔ قومی فلاح نہ محض چند کے تو انگر
ہونے کا نام ہے، نہ اس کا نام ہے کہ ہر شخص پر حصول دولت کی ایک
قسم کی لامحدود راہ کھول دی جائے کیونکہ اگلی صورت میں دولت کی،
غیر متوازی تقسیم بے چینی اور بے اطمینانی کا باعث ہو گی اور پچھلی صورت
ساری قوم کے لئے تباہی کا موجب ہو سکتی ہے جس طرح کاشتکاروں
کے لئے امساک باراں کی مصیبت۔ وہ قوم جس کے حصول دولت کا
انحصار صرف ایک ہی پگڈنڈی پر ہو، زلیست کی کشمکش میں بہت جلد

اپنے آپ کو مشکلات میں مبتلا پائے گی۔ پیداوار تناسب آبادی کے مقابلہ میں پیچھے رہ جائے گی، اگر مخصوصیت کے ساتھ پیداوار کے اور ذرائع نہ کھول دئے جائیں۔ ایک دردمند اور حساس حکومت، وقت کے امکانات پر دھیان رکھتے ہوئے اقتصادی ترقی کو بڑھائے گی، زوال کے امکانات کو روک دے گی۔ صنعت و تجارت کا ایک فنی ملاپ، عوام کی فارغ البالی کا سبب ہو جائیگی، اطمینان اور مسرت کی فضا پیدا ہو گی، غریب و امیر بڑے اور چھوٹے سب ہیں خوشحالی نظر آنے لگے گی، جون رسکن کا یہ خیال حقیقت پر مبنی ہے کہ "زندگی و دولت ہے" اور جے اے ہوبس "اندازہ تونگری کے لئے پیمانہ زر کے بجائے انسانی خوشحالی کے ایک درجہ کو پیمانہ بنانا پسند کرتا ہے"، کسی حکومت کی منفعت بخش پالیسی کی جانچ اسی سے ہو سکتی ہے کہ بلا کسی روک کے افراد قوم نے اپنے جوش عمل سے عمل و خیال کے قومی خزانہ میں کیا سرمایہ جمع کیا۔ لوگوں کی استعداد پیداوار کو بڑھانے کے بعد ہی، بقول سکھر ایک بادشاہ مالیہ وصول کرنے کا حق رکھتا ہے، جس طرح ایک مالی اسی وقت پھل جمع کرتا ہے جب اچھی طرح درختوں کی پرورش و پرداخت کر لی ہو۔ پھر لگان عائد کرنا چاہئے کہ رعایا کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ جیسے کوٹلیا کے تشبیہ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ لگان اور محصولات کی مثال پھل کی ہے جسے پک جانے پر ہی بلا کسی نقصان کے درخت سے توڑا جا سکتا ہے۔ اجراء محصولات کا ایک دانشمندانہ اصول، مالیہ پیدا کرنے کے باوجود بھی لوگوں میں کسب معاش

کی طاقت کو خراب نہیں کرتا۔ حکومت کے قیام و دوام کو نقصان پہنچائے بغیر محصولات رعایا کی بچت سے وصول ہونا چاہیئے۔ ایک ہندی مثل کے بموجب سلطنت کو کوئیلہ بیچنے والے کے مانند نہ ہونا چاہیئے، جو درختوں کو کاٹتا، جلاتا اور اس فطری ذریعہ آمدنی کی تباہی سے اپنا منافع حاصل کرتا ہے بلکہ اُسے باغبان کے مانند ہونا چاہیئے جو پھول اگر نہ چنے تو وہ سب مرجھا کر ضائع ہو جائیں، پس وہ پھول چن لیتا ہے اور پودوں میں پھر کلیاں نکل پڑتی ہیں۔ محصولات کے مواقع کو خوب جانچ لینا چاہیئے۔ اور لوگوں کی استعداد کی مناسبت ہی سے بوجھ ڈالنا چاہیئے۔ وہ جن کی آمدنی گزران اوقات کی حد سے زیادہ نہیں اُن کو محصولات کی زد سے آزاد رکھنا اور ان کا بار مرفہ الحال لوگوں پر ڈالنا مصلحت و انصاف کے مطابق ہے۔

اشیاء پر محصولات بالواسطہ قائم کرنے میں ہوشمندانہ اور تجربہ کارانہ انتخاب سے کام لینا چاہیئے تاکہ دیسی مصنوعات کو فروغ ہو اور ضروریات زندگی گراں ہو کر غربا کی مصیبت کا باعث نہ ہو جائیں۔ لگان بالواسطہ مالیہ کے حصول کا ایک کارآمد ذریعہ ہے اور اس ذریعہ سے حکومت کو مالیہ اس طرح وصول ہوتا ہے کہ دینے والے کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اس کی مثال ان مدھ مکھیوں سی ہے جو پھول کو بغیر کسی طرح کا نقصان پہنچائے ہوئے رس چوس لیا کرتی ہیں۔ پس اس طرز محصول کے عائد کرنے میں، ان لوگوں کو جو اس کام کے ذمہ دار قرار دئے گئے ہوں

بیحد خرم واحتیاط سے کام لینا چاہیئے۔

مالیہ کے وصول ہونے سے رعایا کی استعداد پیداوار میں ترقی ہونی چاہیئے۔ محصولات صاحب حیثیت سے وصول ہوکر اس طرح غربا اور اصحاب حاجت پر صرف ہونا چاہیئے، جس طرح سمندر سے انجرے اُٹھتے ہیں اور بادل بن کر زمین پر برستے ہیں۔ غربا کی تعلیم ان کی معاشی ضروریات کی کار برآری ہونی چاہیئے۔ شخصی زندگی میں بھی روپیہ کا صرف غایت سمجھ اور احتیاط سے ہونا چاہیئے۔ لیکن محکمہ مالیات کا نظم بیحد مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ ایک غریب ہے جو اپنی بسر اوقات سے زیادہ حاصل نہیں کرتا۔ ایک روپیہ محصول لے کر اُسے اُن پر صرف کرنا جو نسبتاً خوشحال ہوں ایک کھلی ہوئی غلطی ہے کیونکہ وہ قلیل رقم اس کے لئے ایک کارآمد سہارا ہے اور اس طریقہ سے تو سارے قومی سرمایہ کے ضائع ہوجانیکا خطرہ ہے۔ ٹیکس ادا کرنے والوں کی صلاحیت اور استفادہ حاصل کرنیوالی جماعت کی ضروریات کا موازنہ ہر وقت ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

ملک کی اقتصادی حالت کو سامنے رکھتے ہوئے انتظامات ملکی پر اسی قدر صرف کرنا چاہیئے۔ جس قدر کہ قوم کی برداشت کے لائق ہو۔ ایک درمیانی حیثیت کے آدمی کے لئے جس کی آمدنی چھ ہزار سالانہ سے زیادہ کی نہ ہو، ایک فورڈ موٹر کار رکھنا موزوں ہو سکتا ہے مگر اسی شخص کا

رولس رائیس (Rolls Royce) رکھنا محض جنون میں شمار ہوگا۔
موثر حکومت کا درجہ جو درکار ہے ایک اضافی خیال ہے نہ کہ جامد ہر چیز
میں خواہ وہ نظم سلطنت ہی کیوں نہ ہو ایک احساس تناسب ہونا چاہیئے۔
ایک گراں صرف حکومت کے برقرار رکھنے کی یہ کوئی معقول وجہ نہیں کہ
وہ منتظم و موثر ہے ملکی مرفہ الحالی ایک اچھی اور موثر حکومت کی اصلی کسوٹی
ہے، نہ یہ کہ عمال حکومت کس طرح گھڑی کی سوئی کی طرح اپنے فرائض
انجام دیا کرتے ہیں۔ ملکی انتظامات کو اس طرح چلانا چاہیئے جس سے
قوم کے قوائے عملی اور دماغی کو پوری طرح ترقی کرنے کا موقع ملے۔
وہ انتظامات حکومت قطعی ناکام سمجھا جائیگا جو لوگوں کو مرفہ الحالی
کی طرف نہ لیجائے خواہ عمال حکومت اپنے نظام اوقات کی پابندی
میں کیسے ہی سخت کیوں نہ ہوں۔ اس امر کی جانچ کہ قوم کو اخراجات
حکومت کے برداشت کی صلاحیت کہاں تک ہے اس طریقہ سے
بہترین ہوسکتی ہے کہ مشاہرہ ملازمین کا موازنہ قوم کی اوسط آمدنی
سے کیا جائے۔ یہ طرز موازنہ عوام و حکام کے اقتصادی توازن کو
عیاں کردے گا اور پھر دوسرے ملکوں سے اشیاء کے نرخ،
صلاحیت عمل اور دیگر اقتصادی حالات کی جانچ کی ضرورت
نہ ہوگی ۰:۰

ایک تو انگرا ور مرفہ الحال قوم کے بنانے میں جو اقتصادی اصول پیش نظر رہنے چاہئیں ان کو بیان کرنے کے بعد انہیں اصول کی روشنی میں ہندوستان کے حالات کا سرسری مطالعہ کرنا چاہئے اور اس امر کو ذرا گہرائی سے جاننے کے لئے، کہ سیاست اور مالیت عامہ نے ہندوستان کی کیا حالت کر دی ہے، اس کی ضرورت ہو گئی ہے کہ موجودہ برطانوی دور سے پہلے کی اقتصادی حالات کا اندازہ کیا جائے۔

فصل دوم

انیسویں صدی میں ہندوستان کی اقتصادی حالت

ہر چند کہ صدیوں تک ہندوستان کی تاریخ بدحالی و خوشحالی، امن و جنگ، اطمینان و مصیبت، انصاف و ظلم کا نقشہ پیش کرتی رہی مگر من حیث مجموع دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں اس نے امن اور دولت مندی کا حیرت انگیز نقشہ پیش کیا۔ قرون وسطیٰ میں ہندوستان دنیا کا اقتصادی مرکز عمل تھا۔ انکشاف امریکہ ان کوششوں کا نتیجہ تھا جو غیر ترقی یافتہ مغربی قومیں ہندوستان کیساتھ براہ راست تجارتی تعلقات قائم کرنے کے لئے کر رہی تھیں۔ اس زمانہ کے نظریہ کے مطابق ہندوستان اعلیٰ پیمانہ کا تجارتی ملک تھا۔ چھوٹی چھوٹی قیمتی مصنوعات جو دستکاری کا اعلیٰ نمونہ ہوتی تھیں، ان کا تبادلہ دوسرے ملکوں سے سونے کے عوض میں ہوا کرتا تھا۔ اشیا کی نکاسی میں، چونکہ حفاظت اور حمل و نقل ایک مشکل مسئلہ تھا، اس لئے کثیر المقدار کم قیمت اشیاء کی تجارت منافع بخش نہ تھی مگر نفیس اور قیمتی اشیاء کی نکاسی اس قدر تھی کہ روم بھی اپنے دور اقبال میں ملک سے سونے کے نکل جانے پر

شکوہ کناں رہتا تھا، باوجود قطعی مخالف شواہد کے[1] اس خیال کا تاہنوز قائم رہنا کہ ہندوستان میں سونے کی لاانتہا کھپت ہے[2] اس قدیم غیر ملکی تجارت کے فروغ کی بنا پر ہے جو اسے زمانہ قدیم میں حاصل تھا۔ ہندوستانی مصنوعات کی برآمد نے ساری دنیا کا سونا سمیٹ لیا تھا۔ ملکی خام اجناس سے ملک ہی میں مصنوعات تیار ہو جاتی تھیں اور ہندوستان کے جہاز راں ایک طرف تو براہ خلیج ایران، عرب، یورپ کو اور دوسری طرف چین و جاپان کو اپنی مصنوعات لے جایا کرتے تھے۔ اس طرح ملک میں صنعت و حرفت کا اس قدر چلن تھا کہ بحر و بر اور شہر و دیار کے لوگوں کے لئے کام اور مصروفیت کی کوئی کمی نہ تھی اور قومی ذہانت اور قوت عمل کے فروغ کیلئے ہندوستان، اندرونی و بیرونی کاموں کا ایک مناسب و خوشگوار اجتماع ہر وقت فراہم رکھتا تھا۔ ہندوستان کے مغربی ساحل کالی کٹ اور مشرقی ساحل مچھلی پٹم میں روئی کی پیداوار سے خوبصورت ململ تیار ہوتا تھا۔ اٹھارہویں صدی میں ململ کی برآمد انگلستان میں اس قدر ہو گئی تھی کہ

---

1. Radha Kumud Mookerji's A History of India Shipping, P. 4.

2. Balkrishn do's Commercial Relation between England and India, Chapter X.

انگلستان کی صنعت پارچہ بافی کو قطعی تباہی سے بچانے کے لئے بھاری محصولات قائم کردیئے۔ ہاتھی دانت اور پتھر کی حسین مصنوعات کی ہر جگہ بڑی مانگ تھی اور ہند کا نام ان مخصوص صنعتوں میں ضرب المثل ہو گیا تھا۔ ریشمی کپڑے، دردوزی اور قالین امرا کے ذوق سلیم کو پورا کرتے تھے۔ ملکی جہازرانی کے سبب، ملک ہی میں جہاز تیار ہوتے تھے۔ ایک انگریز مقیم بالاسور کے خط مورخہ ۱۶ر دسمبر ۱۶۷۰ء کے حوالے سے جو اس نے ڈائرکٹران کمپنی لندن کو لکھا تھا، مسٹر مکرجی لکھتے ہیں۔ کہ "بہت سے انگریز جہازران تاجروں کے جہاز و بادبان ہر سال یہاں تیار ہوتے ہیں۔ پرانے اور بہترین قسم کے ساگوان یہاں بکثرت موجود ہیں اور بہترین لوہا بھی بہ افراط دستیاب ہوتا ہے اور ہر قسم کی کاریگری کے کام مثلاً بولٹ، میخ، کیل، لنگر وغیرہ یہاں کے لوہار نہایت ہوشیاری سے انجام دیتے ہیں۔ مضبوط جہاز تیار کرنے میں اور صحت و درستگی کے ساتھ جہازوں کو پانی میں اتار دینے میں یہاں کے کاریگر ہر ہوشیار کاریگر

---

1. W.M. Digby's Prosperous British India, P. 90
2. Radha Kumud Mookerji's A History of India Shipping, P. 233.

سے مقابلہ کر سکتے ہیں"[1] سنہ ۱۸۰۲ء کے بعد زمانہ میں بھی ہندوستان[2] سے جنگی اور تجارتی جہاز بنکر انگلستان جایا کرتے تھے اور کبھی انگلستان والے یہاں کے مشاق کاریگروں سے نقشہ بنوالیا کرتے تھے۔

عہد قدیم کی وہ خوبصورت عمارتیں، نہریں، کنوئیں، تالاب اور سڑکیں جو اب تک موجود ہیں، زمانہ گزشتہ کی خوشحالی کا روشن اور نمایاں ثبوت پیش کر رہی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ ملک کے محدود حصوں میں کبھی کبھی قحط کی تباہکاریاں پھیل جایا کرتی تھیں مگر سارا ملک بہ یک وقت کبھی اس مصیبت میں گرفتار نہیں ہوا۔ اس زمانہ کے قحط کا سبب استعداد خریداری کی خرابی نہ تھی بلکہ غلہ کی کمیابی، جو بوجہ امساک باراں قطعات ملک میں پیدا وار نہ ہونے کے سبب ہو جایا کرتا تھا۔ پس بجائے اقتصادی سبب کے یہ مصیبت محض اتفاقات ناگہانی پر مبنی تھی۔ راستوں اور باربرداری کی دقتوں کے باعث قحط زدہ علاقوں میں رسد اور امداد پہنچانیکا کام تقریباً مشکل ہوا کرتا تھا۔

---

1. Radha Kumud Mookerji's A History of India Shipping, P. 244.

2. Ibid, P. 250.

وقتاً فوقتاً کوئی غیر ملکی طاقت جس نے ہندوستان کی دولت پر حریفانہ نظریں ڈالیں ملک پر چڑھ دوڑی۔ سندھ، دل اور الوانوں کے اندوختوں کو لوٹ کر روانہ ہو گئی، کچھ اور اُن کی لوٹیری اور غارتگر فوجوں کی نذر ہو جانا قدرتی تھا مگر من حیث مجموع کاشتکار اور صناع اپنے کاروبار کے لئے آزاد تھے، اور بہر صورت یہ بیرونی حملے لوگوں کی دولت کمانے کی استعداد اور صلاحیت کو ضائع نہ کرتے تھے عارضی ہنگاموں کے دفع ہو جانے کے بعد لوگ پھر اپنی کمائی میں لگ جاتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر زر کے انبار کے بجائے قوم کی استعداد پیداواری کا نام "دولت" رکھا جائے تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ان بیرونی حملوں نے ہندوستان کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچایا۔ زراعت ایک پاک پیشہ خیال کیا جاتا تھا اور شاہزادے اپنی نبرد آزمائیوں میں ہری بھری کھیتیوں کو نقصان سے بچاتے تھے۔ پس اس امر کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ ۱۷۳۹ء کے عظیم الشان نادر شاہی حملے کیونکر ہندوستان کی اقتصادی شیرازہ بندی کو تباہ نہ کر سکے اور اس حملے کا محض ایک عارضی اور سطحی اثر ہو کر رہ گیا۔ یہ بات امکانی اور لائق یقین ہو سکتی ہے کہ قوم کو بغیر شدید نقصان پہنچائے امریکہ سے فورڈ اور راک فیلر کی دولت معدوم ہو جائے مگر حقیقت میں وہ

عبرتناک اور اندوہناک سماں ہو گا جب کاشتکار سے زراعت کے مواقع اور مزدور سے کام کے وسائل چھین لئے جائیں" جس نے میری تھیلی چرائی، اس نے ایک بے حقیقت چیز لی "ایک انگریزی مثل ہے اور ذرائع آمدنی کے محفوظ رہنے پر ایک انسان کا اگر روپیہ چوری ہو جائے تو اُسے نسبتاً کم نقصان ہو گا حالانکہ اگر ایک ہوشیار کاریگر کی آنکھ نکال لیجائے، ہاتھ کاٹ لیا جائے تو اس کی حالت جس قدر افسوسناک ہو جائے گی، ظاہر ہے۔ ہندوستان کے بیرونی حملوں اور ظالم حکومتوں نے لوگوں کو کچھ تکلیف ضرور پہنچائی مگر ان عارضی مصیبتوں کے دفع ہوتے ہی شاہراہ ترقی سامنے آجاتی تھی۔

محصولات ملکی خواہ جس صورت سے بھی وصول ہوتے ہوں، ملک ہی میں خرچ ہو جاتے تھے۔ امرا اور سلاطین کا اسراف، صنعت و حرفت کے فروغ کا باعث تھا۔ کیونکہ نفیس اور خوبصورت اشیاء کی مانگ بڑھ جایا کرتی تھی۔ مصرف سلاطین، صاحب علم و حرفہ کی قدر افزائی میں مشہور تھے بنا بریں قوم اپنی اجتماعی پیداوار کا فائدہ حاصل کر لیا کرتی تھی اور جو کچھ ملک میں تیار ہوتا تھا، اس طرح صرف ہو جاتا تھا۔ کہ ملک کا سرمایہ ملک ہی میں رہجائے۔ حکومت فرزندان وطن کے ہاتھوں میں رہنے کے باعث خدام حکومت ملک کے ذہین

طبقہ سے لئے جاتے تھے اور پھر اسی طرح ہزاروں کے روزگار کا بند و بست ہو جاتا تھا۔

بستیوں پر لگان ایسی پنچائتوں کے زیر نگرانی لگایا جاتا تھا جو اپنی بستی اور بستی والوں کے حالات سے شخصی طرح پر آگاہ ہوتے تھے ہر چند کہ لگان دیکھنے میں زیادہ معلوم ہوتا تھا مگر اس کی وصولی میں رحم و انصاف کا انسانی عنصر زیادہ تر کام کرتا تھا اور تھوڑی رد و قدح کے بعد اکثر کچھ لگان معاف کر دیا جاتا تھا۔ ادائیگی میں بھی یہ آزادی تھی کہ خواہ جنس ہی میں ادا کیا جائے خواہ نقدی میں اور یہ آسانی اقتصادی مشکلات سے بچنے کا اکثر راستہ پیدا کر دیتی تھی۔ قحط یا دیگر اتفاقی حوادث سے بچنے کے لئے کاشتکار اور دیگر لوگ غلہ کی ایک مقدار[1] محفوظ رکھتے تھے اور ایسا کبھی نہ ہوتا تھا کہ کچھ "مد محفوظ" رکھے ہوئے ملک سے سارے کا سارا غلہ باہر چلا جائے۔

ہر بستی میں ایسے مدارس[2] ہوتے تھے جن کے لئے زمینیں وقف ہوتی تھیں بستی کی ضروریات اور احتیاج اور تقسیم عمل کے اصول پر

1. A. Loveday's History and Economics of India Famines, P. 21. 2. J. Matthai's Village Government in British India, Chapter II.

لوگوں[1] کی نظر اس طرح رہتی تھی جس سے ایک مختصر جمہوری نظام حکومت کا نقشہ قائم رہا کرتا تھا۔

اٹھارویں صدی کے آخر میں ہندوستان کی یعنی اس کے شمال وجنوب، مغرب ومشرق کی جو حالت تھی، اس کا حال مغربی سیّاحوں کے حوالوں سے درج ذیل کیا جاتا ہے، جس سے ہمارے گزشتہ دور اقبال اور مرفہ الحالی کا نقشہ آنکھوں میں گھوم جائے گا۔

بیشوپ ہیبر اپنے اخبار میں بھرت پور کی حالت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے "کہ اس ملک[2] کی سرزمین اپنی آبادی اور سیرابی کے لحاظ سے ہندوستان کی بہترین زمینوں کا مقابلہ کرتی ہے۔ غلہ کی حسین کھیتیاں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں، خصوصًا بانگے کی کاشت تو اس قدر خوبصورت معلوم ہوتی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ میں نے متعدد چینی کے کارخانے دیکھے اور بہت سی ایسی زمینیں دیکھیں جن سے اوکھ فورًا کاٹی گئی تھی، یہ تمامی حالتیں ملک کی خوشحالی کا پتہ دیتی تھیں آبادی زیادہ نہ تھی مگر لوگ بام ترقی پر جاتے ہوئے نظر آتے تھے اور خوشحالی ہر طرف نظر آتی تھی۔

---

1. J. Matthai's Village Government in British India, Page 15.

2. Bishop Heber's Journal, Vol. II, P. 17.

کمپنی (ایسٹ انڈیا) کی حکومت کے مقابلہ میں ساری آبادی صنعت اور زراعت کا ایسا خوشنما منظر پیش کرتی کہ مجھکو یہ گمان ہوتا تھا کہ آیا پھر تنور کا راجہ بہت ہی ہمدرد اور لائق تقلید حکمران ہے یا پھر انگریزی طریقہ حکومت دیسی ریاستوں کے مقابلہ میں ملکی فلاح اور بہبود کے لحاظ سے نامحمود، ناقص اور نامکمل ہے" یہ حال تو شمالی حصہ ہند کا ہوا، اب جنوبی ہند کا حال سنیئے۔ لفٹنٹ کرنل مور سلطان ٹیپو کی حکومت کا حال ان الفاظ میں تحریر کرتا ہے کہ "جب[1] ایک شخص اجنبی ملک سے گزرتا ہوا دیکھے کہ زمین آباد ہے، آبادی فروغ پر ہے، شہر آباد ہو رہے ہیں، تجارت اور صنعت و حرفت ترقی پر ہے اور ہر چیز میں زندگی اور بہار نمایاں ہے تو قدرتاً اس نتیجہ پر پہنچنا چاہئیے کہ حکومت ملک کے مناسب حال ہے بس یہی نقشہ سلطان ٹیپو کے حکومت کا سمجھنا چاہئیے۔ اس کی حکومت میں رعایا کو جو آرام و خوشحالی نصیب تھی وہ مقابلتاً کسی دوسرے سلطنت سے کم نہ تھی اور نہ کبھی رعایا کو سلطان کے خلاف کوئی

---

1. From Moor's Narrative of the War with Tippu Sultan. P201. (from the Reform Pamphlet by Lajpat Rai.)

شکایت پیدا ہوئی حالانکہ اگر ہوتی تو اس کے دشمن جو بہت تھے، اس کی شکایتوں کو سن کر بہت خوش ہوتے اور اسے رائی کا پربت بنا کر سارے عالم میں پھیلا دیتے۔

مشرقی ہند کا حال مسٹر ہوبل کا حقیقت نگار قلم، بنگال کی حالت کو بیان کرتے ہوئے یوں تحریر کرتا ہے کہ "لوگوں کے جان و مال محفوظ تھے۔ مسافروں کو حکومت کی نگہبانی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیا جاتا تھا، خواہ وہ سامان تجارت کے ساتھ ہوں یا نہیں۔ اور اس طرح رستوں کی حفاظت کے لئے نگہبان مقرر ہوتے تھے"۔ مزید براں ڈھاکہ کا زرخیز خطہ ادرچپہ چپہ آباد تھا۔ حکومت کا انتظام انصاف کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ جسونت رائے جس کی تعلیم دیانتداری اور ایمانداری پر راسخ رہنے کے اصول پر ہوئی تھی ملک کا انتظام بہت خوبی سے کر رہا تھا اور اس کے دور میں لوگ امن اور فارغ البالی سے دن گزار رہے تھے۔[1] اس نے غلہ کی اجارہ داری کو بالکل موقوف کر دیا تھا

خطہ مغربی کے متعلق انکوٹل ڈیو پیرن مہاراشٹر کی حالت بیان کرتا ہوا لکھتا ہے کہ "جب ہم مہاراشٹر میں داخل ہوتے ہیں تو ایسا معلوم

---

1. Lajpat Rai's England's debt to India, P. 25.

ہوتا ہے کہ مسرت، سادگی کے قدیم عہد زریں میں آگئے ہیں جہاں فطرت نے اپنی سادگی کو نہیں چھوڑا ہے جنگ اور مصیبت ناپید ہے۔ لوگ تندرست محنتی اور خوش ہیں مدارات اور خوش خلقی کا دور دورہ ہے دوست، پڑوسی اور اجنبی مسافر کی ایک ہی طرح ہر گھر میں تواضع مدارات کی جاتی ہے۔

اُنیسویں صدی کے آخر میں ملک کی مرفہ الحالی کا دلچسپ نقشہ دے کر اب ہمیں موجودہ صدی کے عام اقتصادی حالات پر نظر ڈالنی چاہیے۔

فصل سوم

بیسویں صدی میں ہندوستان کی اقتصادی حالت

مناسب ہے کہ اس دور کے حالات کے لئے بھی اہل یورپ ہی کی شہادتیں حاصل کی جائیں۔ اس سے بہتر اور کیا ہوسکتا ہے کہ یہ داستان میکڈونلڈ وزیر اعظم انگلستان جیسی شخصیت کے بیان سے شروع ہو صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ "روزمرہ روز کوئی اس ملک میں دورہ کرے، سوائے دُبلے ناتواں اجسام کے اور کچھ نہ دیکھے گا، جنکی زندگی سراپا محنت، محنت!! محنت!!! مشقت! مشقت!! مشقت!!! ہے۔ ہندوستان فلاکت زدوں کی بستی ہو کر رہ گیا ہے[1] اور ان غریبوں کی مصیبت اور بھی میرے دل میں گڑ گئی جب میں نے غور کیا اور دیکھا کہ کس طرح ان کی فلاکت و افلاس کے نمایاں آثار ان کے پُرسکون اور پُرعظمت خاموشیوں میں مستور ہیں"۔ پھر وہ اس کا اقرار کرتا ہے کہ "ہندوستان[2] کا افلاس ایک مسئلہ یا

1. J. R. Mac Donald's The awakening of India, P. 140.

2. Ibid, P. 159.

کلیہ نہیں بلکہ ایک امر واقع ہے۔"

ڈاکٹر جوزف اولڈ فیلڈ[1] اپنے ایک مضمون میں جو ڈیلی نیوز میں شائع ہوا تھا، لکھتا ہے کہ "ہند کا مقامی طرح پر مطالعہ کرنے کے بعد میں ابھی وہاں سے واپس آرہا ہوں اور میں ان قلبی حسرتوں اور افسوسناک جذبات کے بیان سے قاصر ہوں جو میرے دل میں وہاں کی بستیوں اُن کے باشندوں، عورتوں اور بچوں کی فلاکت زدہ و قابل رحم حالات کے دیکھنے سے پیدا ہوئے، کہ کس طرح آدھا پیٹ کھا کر وہ کشمکش حیات میں مبتلا رہتے ہیں۔ میں نے انگلستان کی غربت بھی دیکھی ہے۔ اور وہاں کے ادنیٰ طبقہ کی خراب حالت کا بھی معائنہ کیا ہے مگر میری نظروں نے کوئی ایسا منظر نہیں دیکھا ہے جس کی خیالی تصویر مجھ کو اس قدر ستاتی ہو جس قدر کہ ان بہادر اور ایماندار محنتی اور کفایت شعار لوگوں کی تصویریں جو ایک ہفتہ سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے۔ اور اسی طرح لگاتار صبر آزما محنت و مشقت میں مشغول رہتے ہیں اور پھر ان ساری جفاکشیوں کے بدلہ میں اُن کو لبِ اسقدر مل جاتا ہے کہ جُوار، یا باجرے کی خشک روٹی اور کچھ تھوڑی سی لسی یا (مٹھا)۔

1. W. M. Digby's The Ruining of India, P. 189.

"اس وقت حکومت نے ہندوستان میں قحط کو باقاعدہ تسلیم نہیں کیا ہے مگر (۱۹۰۲ء) میں میں نے سیکڑوں دیہات بچشم خود دیکھے ہیں، اُن کے گھروں میں گیا ہوں اور میں نے ان کے مٹی کے گھڑوں اور برتنوں کو اناج سے بالکل خالی پایا ہے۔"

"اس کے کیا معنے ہوئے! صرف اس سے محض یہ سمجھنا چاہیئے کہ ان کی مختصر اور حقیر پونجی ادائیگی لگان کی نذر ہو گئی اور اب دو ماہ بعد اور بھی کچھ نہ رہ جائے گا۔"[1]

لندن مشن کے ایک رکن ریورنڈ نولیس کا بیان ہے کہ "میں نے اپنے تبلیغی دوروں میں ایک ایسی جماعت کی اوسط آمدنی کی تحقیقات کی جو تعداد میں تقریباً تین سو تھی اور یہ اندازہ لگایا کہ انفراداً ان کی اوسط آمدنی ایک فارونگ سے بھی کم تھی۔ وہ زندگی نہیں گزارتے تھے بلکہ زبردستی زندہ رہنے کی کوشش کرتے تھے۔"

پروفیسر گالبرٹ سیلیٹر آف لندن فرماتے ہیں کہ "ہندوستان کا افلاس ایک ہیبت ناک حقیقت ہے۔"[2]

قریب تر زمانہ یعنی ۱۹۲۳ء کا حال ڈاکٹر رد ڈرفورڈ اس طرح

---

1. W. M. Digby's Prosperous British India, P. 106.

2. P. Pillai's Economic Conditions in India, P. XII

بیان کرتا ہے کہ "ہر جگہ زندگی کی کشمکش اندوہناک ہے"۔ دیہاتیوں کی تکالیف بیان کرتا ہوا، لکھتا ہے کہ "میرے غم و افسوس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ میں برطانوی باشندہ ہونے کی حیثیت سے ان کی اس جسمانی حالت کا ذمہ دار ہوں جس نے ان کو دیسے مگر تکلیف دہ طریقہ پر موت کے گھاٹ اوتار دیا۔ ہم برطانوی باشندے اُس حکومت کے ذمہ دار ہیں، جس نے تخفیف مالیہ اور اجراء نہر کی کوئی سکیم جاری نہیں کی جس سے قحط کا سدّ باب ہو سکتا"[1]

مشہور ماہر اقتصادیات ایچ۔ ایم۔ ہنڈمین کا خیال ہے کہ "ہندوستان روز بروز کمزور و ناتواں ہوتا جا رہا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ عوام کی زندگی کا خون آہستہ آہستہ مگر دن بدن تیز روی کے ساتھ نکلا جا رہا ہے"[2]

واقعات کی ان سرسری تصویروں کو چھوڑ کر اگر ہم حالات کا مطالعہ گہرائی کے ساتھ کریں تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ پرُانے ہنرمند دستکار، اور صناع اپنا کام چھوڑ چکے ہیں، اور کسی دوسری دلیسی صنعت نے ان چھوٹی موٹی صنعتوں کی جگہ نہیں لی ہے۔ یہ بے روزگا

---

1. V. H. Rutheford's Modern India, P. 106.

2. H. M. Hyndman's Bankruptcy of India, P 152.

اپنی خفیف ترقی تعداد کے ساتھ اس پر مجبور ہو گئے ہیں کہ محض کاشتکاری پر اپنا گذارہ کریں۔ سال کے کچھ حصوں میں تو وہ کام کرتے ہیں. مگر بقیہ زمانے میں بے کار ہو جاتے ہیں۔

آخری صدی عیسوی میں ہندوستان کی ترقی آبادی کا تناسب یورپ کے بہ نسبت بہت گرا ہوا ہے۔ اسٹیٹس مین ایئربکس statesman year Books سے ہر دس سال پر فی صد ترقی کا موازنہ درج کیا جاتا ہے۔

	۱۸۹۱ - ۱۹۰۱	۱۹۰۱ - ۱۹۱۱	۱۹۱۱ - ۱۹۲۱
ہندوستان	۲٫۵	۶٫۱	۱٫۲
انگلستان	۱۲٫۲	۱۱٫۶	۵٫۴

اعداد و شمار بالا سے ظاہر ہے کہ ترقی آبادی کا مسئلہ ہندوستان کے لئے کوئی اقتصادی اور حقیقی مسئلہ نہیں۔ اب رہا تجارت کا سوال تو اس کا بھی یہی حشر ہوا کہ جو ہندوستانی مصنوعات کے برآمد پر قادر تھا، اب خام اجناس کی درآمد اور مصنوعات کی برآمد پر مجبور ہو گیا۔ روئی کی مصنوعات اور گھریلو صنعت ناپید ہو چکی۔ کوئی دوسرے روزگار نے اس کی جگہ نہ لی۔ جہاز رانی اور جہاز بنانے کے واقعات تو اب حسانہ ہو کر رہ گئے ہیں۔

اب یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ ملک میں بار بار قحط پڑ رہا ہے اور پچھلے پچاس سالہ قحط کی تباہ کاریاں ایسی ہوئی ہیں جس کی نظیر ہندوستان کی تاریخ نہیں پیش کر سکتی۔ تقسیم دولت کے تناسب میں بہت بڑا فرق ہے۔[1]

ملک کا سارا انتظام ان انگریزوں کے ہاتھ میں ہے جو واپسی ٹکٹ کا خرچ اپنی جیب میں رکھ کر یہاں کے کاموں کا انصرام کرتے ہیں۔ ان کی بے تعلقی ظاہر ہے ان کے مقاصد اور باشندگان ملک کے مقاصد میں کوئی اتحاد موجود نہیں ہوتا اور نہ یہ لوگ ملک کے سامنے صحیح طرح پر ذمہ دار ہوتے ہیں۔ فرزندانِ وطن جو کبھی حکمران تھے اب کم مشاہرہ دار محرر سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتے۔ بہر حال ہمارے بدیسی حکمرانوں کے قدم تو ہندوستان پر جمے ہوتے ہیں مگر ان کے چہرے اپنے وطنِ مالوف کی طرف پھرے ہوتے ہیں اور ان ہی جذبات کے ساتھ وہ اپنے قیام کی مدت ختم کر کے مراجعت فرمائے وطن ہو جاتے ہیں۔

وہ قدیم قومی تعلیم کا پھیلا ہوا انتظام جسے انگریزوں نے اپنے قبضہ کے وقت پایا تھا دیگر ملکی اداروں کی پامالی کے ساتھ پامال ہو گیا[2]

1. A. Loveday's History and Economics of India Famine, App. A.
2. John Matthais The Village Government in British India, Page 42.

اور تعلیمی جاگیریں حکومت کے محصولات کی نذر ہو گئیں۔
ملک میں ریلوں کا جال تو بے حد سرعت اور کثرت کے ساتھ اس طرح بچھا دیا گیا کہ آج یہ حکومت کا ایک طاقتور اور منظم محکمہ ہے مگر نہر اور ذرائع آب پاشی کے محکمے بے توجہی کے شکار رہے۔
جہاں تک بدیسی اشیاء کی تجارت کا تعلق ہے ہندوستان میں "آزادیٔ تجارت" کا اصول جاری رکھا گیا مگر نمک کے ٹیکس، زمین کے ٹیکس اور دیگر سخت قسم کے محصولات آمدنی کا ذریعہ بنا کر اس کو ہمیشہ سلطنت کی آمدنی کو بڑھاتے رہنے کا خیال رکھا گیا۔
اب ہمیں اُن اسباب کی تلاش کرنی چاہئے کہ جس نے ہندوستان کے انیسویں صدی کے درخشندہ حالات کو بیسویں صدی کے تاریک اور اندوہناک حالات میں متبدل کر دیا۔
قوموں کی ترقی اور تنزلیٔ خوش حالی اور بدحالی پر اثر ڈالنے والے اصولوں کی توضیح و تقسیم اس طرح ہو سکتی ہے کہ:۔
(۱) وہ اسباب جو انسان کے اندر مضمر ہوں۔
(۲) وہ اسباب جو حالات گرد و پیش کے ماتحت ہوں یعنی:۔
(الف) فطری۔ (ب) مصنوعی۔
سبب اول پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی

کاشتکار کی ذہانت، محنت بلکہ نہایت صبر آزما اور جاں گسل حالات میں ان کی طاقت برداشت ہمیشہ لایق تعریف وتحسین رہی ہے۔ ہم انگلستان کے مشہور مزدور لیڈر مسٹر ریمزے وزیراعظم کے گواہی کے بعد، جو یہ فرماتے ہیں کہ "دنیا کے مشہور محنتیوں میں یہاں کے لوگوں کا بھی شمار ہے اور ان کی زمینیں اچھی اور بہت زرخیز ہیں"[1] مذکورہ سبب کے لئے مزید ثبوت کی ضرورت نہیں سمجھتے اور اُسے نظرانداز کرتے ہیں۔

جب گرد وپیش کے حالات کا معائنہ کیا جاتا ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا کے بہت ہی کم ملکوں کو اس قدر نطری دولت وزرخیزی نصیب ہوتی ہے جس قدر کہ ہندوستان کو حاصل ہے۔ اس کے چھپے ہوئے خزانے شورا، نمک، جستہ خام، تانبا، لوہا، کوئلہ، سونا، تیل کراسن، وغیرہ سے بھرے پڑے ہیں۔

چائے، کافی، نیل، سن (جس کے لئے وہ ساری دنیا کا اجارہ دار ہے) اور روئی (جو ہندوستان دنیا کے مقابلہ میں تیسرے درجہ پر پیدا کرتا ہے) یہ سب یہاں کی زرخیز زمینوں کی پیداوار ہیں۔ اس ملک کے گیہوں اور تیل کی ساری دنیا خریدار ہے۔ اس کے عظیم الشان کوہستانی سلسلے

---

1. J. R. Macdonald's The Awakening of India, p159.

اپنے اندر بجلی پیدا کرنے کی طاقت مستور رکھتے ہیں۔ اس قدر لاتعداد عطیۂ فطری کے رکھنے کے بعد اس کی غربت یقینی اس کے طبعی حالات کے سبب نہیں ہوسکتی۔ لاریب، انسانی اور طبعی اسباب بے قصور ثابت ہو چکے ہیں۔ اب ہمیں بقیہ وجوہ کا بھی معائنہ کرنا چاہیئے۔

کہا جاسکتا ہے کہ ملک کی پیداوار کی کمی کا سبب یہ ہے کہ یہاں کا معیار زندگی گرا ہوا ہے اور لوگوں کو زیادہ حاصل کرنیکی خواہش ہی پیدا نہیں ہوتی۔ اس بارہ میں ڈاکٹر ایچ جے ڈیون پورٹ کا خیال ہے کہ "انسان چیزوں کے استعمال سے اس لئے نہیں رکتا کہ اسے احتیاج باقی نہیں رہتی، بلکہ اس کی رکاوٹ کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ مزید اشیا بغیر زیادہ مشکلات کے حاصل نہیں کرسکتا۔"[1] ہندوستان میں وہ کون سے اسباب پیدا ہوگئے ہیں جن سے وہ "زیادہ اشیا" کا حصول آسان کام نہیں رہا ہے۔

اپنے مضمون کے محدود ہونے کے باعث ہم ان گرد وپیش کے مصنوعی حالات کو نظر انداز کردیں گے اور ان امور پر بغیر کوئی خیال ظاہر کئے صرف ایک اصولی بحث کو پیش کرنے کی جرأت کریں گے جس کا نام مالیات عامہ ہے، ریلوے، اور مبادلات خارجہ بھی

1. H. J. Devonport's Economics of Enterprise, P. 2

حکومت ہند کے ماتحت ہیں اور اس وجہ سے یہ دو مسئلے بھی میرے موضوع بحث کے اندر ہوں گے۔

مالیاتِ عامّہ اور اخراجات شخصی میں یہ بڑا فرق ہے کہ اشخاص آمدنی کی حد بندیوں کے بعد اپنے اخراجات کا میزانیہ درست کرتے ہیں درآنحالیکہ حکومتیں ملکی فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے پہلے مدات اخراجات کو قائم کرتی ہیں، بعدہٗ ذرائع آمدنی کا جائزہ لیتی ہیں جو ان اخراجات کی کفالت کر سکے۔ پس اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ذرائع آمدنی کی تلاش سے پہلے ہمیں مسئلہ اخراجات پر غور کر لینا چاہئے۔

ایک حکومت کے لئے یہ تسلیم کر لیا جا سکتا ہے کہ اخراجات کی کفالت کے لئے اُسے اپنے ذرائع آمدنی پر پورا قابو حاصل ہے۔ مگر اس نکتہ کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ حکومت کی یہ طاقت اضافی ہے اور رعایا کی صلاحیت ادائیگی کے تناسب پر مبنی ہے اور اس کے بھی ایسے حدود ہیں کہ ٹکس کے لگانے میں اُن حدود سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ جیوں ہی کہ مالیہ کا بار بجٹ کے حدود سے گذر کر رعایا کے آرام و آسایش کے وسائل پر پڑا، مالیہ کی وصولی میں رکاوٹ شروع ہو جائے گی اور یہ کشمکش

اور زیادہ ہوتی جائے گی جب یہ بار آسایش و آرام کے حدود سے بھی آگے بڑھ کر، لوگوں کے محض ضروریات زندگی، اور سخت احتیاج پر اثر ڈالنے لگے۔ ان آمدنیوں پر ٹیکس کا لگانا جو لوگوں کی زندگی اور ان کو ایک حالت درستگی میں رکھنے کا سبب ہو رہی ہوں، قومی طاقت اور صلاحیت کی بربادی کا موجب ہو جائے گا اور پھر ایسے محصولات پر اضافہ قیام و بقاے سلطنت ہی کو خطرہ میں ڈال دینے کا سبب ہو سکتا ہے۔ محصولات کو کچھ لوگوں کی تکلیف کا سبب ہونا قطعی یقینی ہے۔ کیونکہ انسانی دماغ نے کوئی ایسا اصول ابھی تک وضع نہیں کیا ہے جس سے انفرادی استعداد ادائیگی ٹیکس کا پتہ لگ سکے۔ مگر پوری نگہبانی اس کی کی جا سکتی ہے کہ محصولات سے لوگوں کی استعداد کو کوئی صدمہ نہ پہنچے اور وہ طبقہ اس بار سے مامون و محفوظ رہے جو اپنے بسر اوقات سے زیادہ حاصل نہیں کرتا۔

اِن حدود کے ماتحت آمدنی کا اندازہ لگانے کے بعد مالیات عامہ کا صَرف اس طرح ہونا چاہئیے کہ خزانہ عامرہ کا ہر ایک روپیہ پورے پورے فائدے کے ساتھ خرچ ہو، اور خصوصاً ایسے وسائل پر زیادہ خرچ کیا جائے جو لوگوں کی صلاحیت پیداوار

کو اور بڑھا دیں۔ انتظامات ملکی پر سب سے کم خرچ کرنا چاہئے اور ایسے اخراجات سے احتراز کرنا چاہیئے جو محض کسی خاص طبقہ کے لئے فائدہ بخش ہوں۔

مالیہ حکومت جو قومی دولت کا ایک ٹکڑا ہے ایسے اخراجات کے ذریعہ قوم کو واپس کر دینا چاہیئے جو ان کی حالت کو بہتر بنا دے کیونکہ بصورت دیگر قوم کے مالی نقصان کا باعث ہوگا اور وہ اپنی پیداوار کے فوائد سے محروم ہو جائے گی۔

فصل چہارم

صرف عامہ (اخراجات ملکی)

سنہ ۲۶-۱۹۲۵ء کے صوبجاتی اور مرکزی اخراجات کے حسابی نقشوں کا معائنہ اس لحاظ سے نتیجہ خیز ہے کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آمدنی کا کس قدر حصہ فلاح و بہبود کے محکموں پہ صرف ہوا۔ تفصیل یہ ہے:-

قرضہ جات	۲۱،۶۲،۰۹،۰۰۹	۱۵٫۲	فی صدی
فوجی اخراجات	۵۵،۹۹،۸۵،۶۵۴	۳۹٫۵	〃
انتظامات ملکی	۵۵،۴۴،۳۳،۵۸۷	۳۹٫۲	〃
متفرقات	۸،۷۰،۶۰،۵۳۵	۶٫۱	〃
	۱۴۱،۷۶،۸۸،۷۸۵	۱۰۰٫۰	

"انتظامات ملکی" کے صیغہ میں جو رقم اوپر دکھائی گئی ہے اس کا تفصیلی حساب یہ ہے:-

	لاکھ روپیہ	فی صد
انتظامات عمومی	۱۲٫۴۹	۸٫۹

	لاکھ روپیہ	فی صد
محکمہ احتسابات	۸۴	٫۵۸
عدالت	۴٫۶۹	۳٫۳۱
قیدخانجات	۱٫۹۴	۱٫۳۸
پولیس	۱۱٫۶۹	۸٫۲
بندرگاہ	۳۱	٫۲۱
محکمہ امورات مذہبی (یعنی عیسائی گرجے)	۳۲	٫۲۲
سیاسیات	۳٫۳۷	۲٫۴
تحقیقات علمیہ	۸۶	٫۶
تعلیم	۱۰٫۶۶	۷٫۶
طبی	۳٫۲۰	۲٫۲۸
حفظان صحت	۱٫۸۱	۱٫۲۵
زراعت	۱٫۷۹	۱٫۲۴
صنعت و حرفت	۱٫۳۰	٫۹۲
ہوابازی و متفرقات	۱۰	۱۱۱
	۵۵٫۴۴	۳۹٫۱۰

بہتر ہوگا کہ اسی مقام پر اخراجات مندرجہ بالا کا موازنہ شعبہ

یہ شعبہ اسی سال کے جمہوریت امریکہ کے کسی صوبہ کے اخراجات عامہ سے کیا جائے۔

	لاکھ	فی صد
قرضہ جات	۲،۴۳۲	۲۲،۳
استحفاظ	۲،۰۸۵	۱۸،۷
مرکزی حکومت	،۸۶۷	۷،۸
تعلیم	۲،۱۶۷	۱۹،۵
سڑک	۱،۵۶۸	۱۴،۱
معاشرتی اصلاح	۱،۰۲۰	۹،۱
فوائد عامہ	،۵۸۳	۵،۲
ترقیات اقتصادی	،۲۰۷	۱،۹
متفرقات	۱۵۵	۱،۴
	۱۱،۱۳۴	۱۰۰

واضح رہے کہ مذکورہ اعداد و شمار ایک ایسی جمہوری حکومت کے اخراجات ہیں جسے اپنی مالیات پر اختیار کامل حاصل ہے۔ مگر ہندوستان کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے۔ ہر دو ملکوں کے شعبہ ہائے اخراجات کے مختلف ہونے کے باعث

موازنہ اچھی طرح اور پوری تفصیل کے ساتھ ممکن نہیں لیکن اس سے
دونوں حکومتوں کی پالیسی کا اختلاف نمایاں طور پر نظر آجاتا ہے ۔
خاصکر جب ہم اس پر غور کرتے ہیں کہ امریکہ کے محکمہ استحفاظ میں
پولیس بھی شامل ہے ۔ اور ان دونوں ملکوں کی افواج دوسرے
ملکوں کے مقابلہ میں کم تنخواہیں نہیں پاتیں ۔

جمہوریت امریکہ کی مجموعی آمدنی کا ۸۴،۸ حصہ قرضہ جات،
انتظامات ملکی اور فوجی پر صرف ہوتا ہے اور بقیہ رقم تعمیری
کاموں پر صرف کی جاتی ہے، جس میں خصوصیت کے ساتھ محکمہ تعلیم
پر ۱۹،۵ خرچ ہوتا ہے بخلاف اس کے ہندوستان اپنی آمدنی
کا ۹۳،۷ حصہ قرضہ جات، انتظامات ملکی اور فوجی پر خرچ کر دیتا ہے
اور یہی وجہ ہے کہ تعمیری کاموں کے لئے اس کے پاس کچھ بھی باقی
نہیں رہتا ۔ اس پر بھی اس قلیل رقم میں جو صیغۂ تعلیم پر صرف ہونے
کے لئے مقرر ہوتی ہے امتیازی برتاؤ اس طرح روا رکھا
جاتا ہے کہ یوروپین آبادی کے لئے مبلغ ۲۵ روپیہ فی متعلم
صرف روا رکھا جاتا ہے اور ہندوستانیوں کے لئے صرف ۴ر
فی متعلم ۔ یعنی ملک کے نونہالوں کے مقابلہ میں یوروپین[1] طلبا پر

1. Lajpat Rais Unhappy India, P. 55 + 56.

سو گنا زیادہ خرچ کیا جاتا ہے کیا یہی وہ قومی تعمیر کے اخراجات ہیں جو ہندوستان کے محافظوں نے اس کے لئے روا رکھے ہیں؟ حقیقت میں موجودہ حالات کے ماتحت فرزندانِ وطن کے لئے پس خوردہ ٹکڑے سے زیادہ نہیں چھوڑا جاتا۔

پروفیسر کے۔ ٹی۔ شاہ نے دوسرے ملکوں کے اخراجات محکمہ استحفاظ کا ہندوستان کے اخراجات سے اس طرح موازنہ کیا ہے جو لائق غور ہے۔

صیغہ استحفاظ	ملک	خرچ بحساب فیصدی آمدنی
〃	ہندوستان	۶۳٫۸
〃	دول متحدہ انگلستان	۵۳٫۷
〃	آسٹریلیا	۴۸٫۳
〃	کناڈا	۲۴٫۲
〃	جنوبی افریقہ	۵٫۲
〃	ہسپانیہ	۱۷٫۶
〃	فرانس	۲۰٫۰
〃	اٹلی	۱۷٫۳
〃	جمہوریہ امریکہ	۴۹٫۰

صیغہ استحفاظ	ملک	خرچ بحساب فی صد آمدنی
"	جاپان	۴۹،۰

اس نقشہ سے صاف ظاہر ہے کہ غیر منفعت بخش اخراجات کا بارگراں کس طرح ہندوستان پر ڈال دیا گیا ہے۔ جب کوئی قوم اپنی محنت و کوشش کا بدل نہیں پاتی تو یہی اُس کے بہت جلد مفلس و قلاش ہو جانے کا سبب ہو جاتا ہے۔ انگلستان نے بہت سے غیر فائدہ بخش قرضے، ہندوستان کو فتح کرنے اور ایشیا اور افریقہ کی استعماری جنگوں میں صرف کرنے کے لئے لیا مزید براں ہندوستان کے ان ہی "خود ساختہ" محافظوں نے ایک سو ملین پونڈ کا عطیہ[1] جنگ عظیم کیلئے آپ ہی آپ لے لیا، حالانکہ پروفیسر شاہ کے تخمینہ کے مطابق ہندوستان[1] اُس وقت خود ایک سو اسی کروڑ کے خسارے میں تھا۔ ایسے ناروا اخراجات کا بار ہندوستان پر ڈالنا جس سے ہندوستان کو کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا، سراسر ناانصافی تھی۔

افواج کے قیام کے متعلق پروفیسر شاہ تحریر فرماتے ہیں کہ افواج[2] ہند جس قدر کثیر اخراجات کا سبب ہو رہی ہے اسی قدر بیکار و بیفرد ہے اور اس محکمہ کے مفروضہ خدمات کے مقابلہ میں اس کا صرف

1. K. T. Shah's Wealth and Taxable Capacity of India, P. 275.
2. Ibid, Page 272.

حد سے زیادہ ہے۔

مسٹر ریمزے میکڈونلڈ بھی تقریباً اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں جب وہ یہ کہتے ہیں کہ "حقیقت[1] میں اس معاملہ میں ہندوستان کے ساتھ منصفانہ برتاؤ نہیں کیا گیا" اور پھر "ہندوستانی افواج کا کم از کم نصف حصہ ایسی شاہی فوج پر منحصر ہے جس کا استعمال ہندوستانی مفاد کے لئے نہیں ہوتا اس لئے ازراہ انصاف اس حصہ کے اخراجات[2] بجائے ہندوستان کے انگلستان کے خزانہ سے ادا ہونا چاہئے"

جمہوریہ امریکہ کے مقابلہ میں اس محکمہ پر ہندوستان کے اخراجات پانچ گنا زیادہ ہیں اور مسٹر میکڈونلڈ کے اس اقرار پر ہمیں تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں جنہیں" یہ قبول[3] کرنا ہی پڑتا ہے کہ حکومت ہند ایک غیر منصفانہ مسئلہ ہے۔" اور اسی سلسلہ میں پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ "ایک بدیسی[4] حکومت بہرحال ایک گراں خرچ حکومت ہے خواہ اپنی شکل و معنی کے لحاظ سے اس کی قیمت واجبی ہی کیوں نہ ہو"۔ حکومت ہند کے ملازمین کی بھرتی اور انتخاب انگلستان میں کیا جاتا ہے جہاں رہائش زندگی گراں ہے اور اسی وجہ

1. J. K. Macdonald's The Government of India, P.153

2. Ibid, P. 154. 3. Ibid, P. 145.

4. Ibid, P. 147.

سے مشاہرہ بھی حد سے زیادہ پڑتا ہے کہ یہ نوکریاں ان کے لئے موجب کشش ہو جائیں۔ مزید براں بیرونی ملازمتیں اپنے اندر کچھ "معاوضہ انسانی" کا حق بھی رکھ لیتی ہیں جو مشاہروں کے مزید زیادتی کا سبب ہو جاتی ہیں کیونکہ ان نوکریوں کے باعث ملازمین کو وطن چھوڑ کر آنا اور غیر ملک اور لوگوں میں کام کرنا ہوتا ہے۔ حکومت برطانیہ کے دور اولین میں طرز حکومت کے نئے اور غیر ملکی ہونے کے باعث لوگوں کو صرف کثیر پر لانا، کچھ معنی رکھ سکتا تھا مگر اب جبکہ ہزاروں انگریزی تعلیم یافتہ ہندوستانی مل رہے ہیں، غیر ملکی لوگوں کا لانا سراسر نامعقولیت اور ناانصافی کی دلیل ہے۔ اب یہ دفتری طرز حکومت اعلیٰ خیالی اور اقدام عمل سے بے بہرہ ہو چکی ہے۔ اس کی کارروائیاں صیغہ راز میں ہوا کرتی ہیں اور قومی پیداوار کی ترقی کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ ایک ہزار روپیہ ماہانہ سے زیادہ مشاہرہ پانے والوں کا ۱۹۱۳ء میں

1. K. T. Shah's Sixty years of Indian Finance, P. 101.

۱۹۱۳ء کے بعد سے ہندوستانی اعلیٰ ملازمتوں میں کچھ لئے گئے ہیں مگر اس سے ہمارے مسئلہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ اصلی مقصد ہندوستانی ملازمتوں کو بڑھانا اور ان کو بڑے بڑے مشاہرے دینا نہیں ہے بلکہ قومی تعمیر کے کاموں پر صرف کرنا ہے۔ مثلاً تعلیم نہر وغیرہ۔

یہ تناسب تھا کہ ۹۶ % (فی صدی) فرنگی اور اینگلو انڈین تھے، اور ۴ % (فی صدی) ہندوستانی۔ ملازمتوں کا مجموعی حساب کرنے سے فرنگی مشاہرہ دار کا اوسط فی کس ماہانہ ۹۳۳ روپیہ اور ہندوستانی کا ۲۷۱ روپیہ ہوتا ہے۔ مبلغ پچاس (۵۰) روپے ایک ٹیکس ادا کرنے والے کی سالانہ آمدنی قرار دینے کے بعد جو تخمینہ ۱۱-۱۹۱۰ء میں لگایا گیا تھا اگر ان اخراجات کا موازنہ ٹیکس ادا کرنے والے کی آمدنی سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایک فرنگی افسر کا مشاہرہ ۲۲۴ افراد کی اوسط سالانہ آمدنی کے برابر ہے۔ اور اس طرح ہندوستانی مشاہرہ دار کا تناسب ۸۴ گنا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ فرنگی اور ہندوستانی ملازموں کو غربا کی صلاحیت اور استعداد پیداوار سے بدرجہا زیادہ مشاہرہ دیا جاتا ہے۔ نیویارک جو ایک دولتمند ملک کا بے حد مالدار صوبہ ہے۔ اُس کے گورنر کا مشاہرہ دس ہزار ساٹ (ایک امریکی سکہ) سالانہ ہے جو وہاں کے باشندوں کی اوسط آمدنی سے صرف چودہ گنا زیادہ ہے حالانکہ صوبہ بمبئی اپنے گورنر کو ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ (۴۵۰۰۰ ساٹ کے برابر) ادا کرتا ہے، جو ۲۴۰۰ افراد کی سالانہ آمدنی کے برابر ہوجاتا ہے۔ مسٹر ریمزے میکڈونلڈ اس مسئلہ پر رائے زنی کرتے ہوئے

لکھتے ہیں کہ "حکومت[1] کے ہر صیغہ کے ملازمین کی تنخواہ ہندوستانی معیار زندگی کے مطابق رکھنا چاہیئے نہ کہ غیر ملکی اور وہ اس امر کو قبول کرتے ہیں کہ" یہاں[2] تک ہم لوگوں (یعنی انگریزوں) نے ہندوستان کو بے حد نقصان پہنچایا ہے اور یہ ایک ایسی اصلاح ہے جسے حکومت خود اختیاری حاصل کرنے پر اگر ہندستانی عمل میں لائیں تو بالکل بجا اور درست ہوگا۔" مالیہ کا بیشتر حصہ نظام حکومت پر صرف ہو جانے کے باعث دوسری ضرورتوں کے لئے بہت کم روپیہ بچ رہتا ہے۔ اگر ملازمین حکومت ہندوستانی ہوتے تو دولت کا الٹ پھیر ملک ہی میں ہوتا رہتا اور ملک کی مجموعی دولت کو نقصان نہیں پہنچتا، مگر ملک کی پریشانی اور خطرے کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ایک کثیر رقم بصورت مشاہرہ اور پنشن، ملک سے ہر سال باہر چلی جایا کرتی ہے اور یہ ملکی دولت اس طرح، دیسی حکمرانوں کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے جس کا ملک کو کچھ بھی معاوضہ نہیں ملتا۔ پنشن کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر میکڈونلڈ لکھتے ہیں کہ" پردیسی[3] حکومت کے یہ مردہ مطالبات دوہری طرح بار

1. J. R. Macdonald's The Government of India, P. 147.

2. Ibid, P. 148. 3. Ibid, P. 148.

خطرناک ہیں کیونکہ یہ رقوم نہ ہندوستان کی پیداوار ہی سے وصول کر لی جاتی ہیں بلکہ ملک سے باہر بھی بھیج دی جاتی ہیں۔"
پھر ہندوستان کی دولت کے اس بے دریغ زیاں کو خوبصورت استعاروں میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک سیراب[1] کرنے والی نہر کے مفید پانی کو اس طرح بہانا ملک کے لئے ہلاکت آفریں ہو جائے گا۔" اور آخرکار وہ اپنی آخری رائے اس طرح ظاہر کرتے ہیں "اس[2] قدر کثیر رقم کے نکلتے رہنے کے بعد ہندوستان کی عام خوشحالی کی توقع امید موہوم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔" پس ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ ۹ر۳ر۱۹ فی صدی ملکی آمدنی محض ضائع و رائگاں ہو جاتی ہے۔ حکومت پیداوار دولت کے ذریعوں کے بڑھانے پر صرف نہیں کرتی بلکہ ہر سال ایک کثیر رقم بلا کافی معاوضہ کے ملک سے باہر بھیج دیا کرتی ہے اور لوگ اپنی محنت کا ثمرہ نہیں پاتے۔ ایسی پالیسی کا مسلسل جاری رہنا یقینی فلاکت کا باعث ہو جائے گا۔

اس محکمۂ انتظامی کے اخراجات کو ملک کے اقتصادی ترقیات

---

1. J. R. Macdonald's The Government of India, P. 148.

2. Ibid, P. 149.

کے تناسب سے ہونا چاہئے۔ خرچ کا موقع خواہ کیسا ہی اچھا کیوں نہ ہو اگر ملکی فوائد کا موجب نہیں تو رائیگاں ہی جائے گا۔

ہندوستان جیسے زرعی ملک میں محکمہ نہر پر صرف کرنے کی اشد ضرورت ہے اور اس کی ضرورت ہے کہ سستے اور دیہاتی ذرائع حمل و نقل درست کئے جائیں۔ مگر حکومت نے محکمہ نہر پر تو صرف ۹۶ چھیانوے کروڑ روپیہ صرف کیا ہے لیکن محکمہ ریلوے پر چھ[1] سو چھبیس ۶۲۶ کروڑ روپیہ خرچ کر چکی ہے۔ اس وقت ہندوستانی ریلوے لائن اپنی پیمائش کے حساب سے ایشیا کے تمام ملکوں سے بڑھی ہوئی ہیں۔ یعنی ۳۸،۵۷۹ میل ریلوے لائن ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس پر بھی دوسری اہم ضرورتوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے، تاکہ ریلوے تعمیر اور جاری رہے۔ اسی طرح ملک کی ساری آمدنی بے قرینہ صرف کی جا رہی ہے۔ مسٹر ریمزے میکڈونلڈ اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ "ایوان[2] تجارت کی بجائے دفتر جنگ کے تیار کردہ نقشوں کے مطابق ریلوے اور اسی طرح کے کاموں پر روپیہ قرض لے کر صرف کیا جا رہا ہے اور ان جنگی اخراجات کا دوسرا نام تعمیرات ریلوے رکھ لیا گیا ہے۔ یہی پولیسی

1. The Statistical Abstract of British India, P. 217.
2. J. R. Macdonald's The Government of India, P. 151.

جنگی پہلو کے علاوہ، انگلستان کی فولادی صنعت کو مصروف فروغ رکھنے کا باعث ہوئی، اس سے یہ بھی فائدہ ہوا کہ خام اجناس انگلستان بہ سرعت پہنچائی جاسکیں۔ اور غیر ملکی مصنوعات غیر مساوی[1] محصولات اور تھوک محصولات Block Rate کے ماتحت ملک میں تقسیم ہوئیں۔ یہ طریقے جو غیر ملکی تجارت کو فروغ دینے کے لئے رائج کئے گئے ہیں اس کے نقصان دہ نتائج ان چند مثالوں سے واضح ہوجائیں گے جو ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ دیا سلائی کی صنعت کو لیجئے، بیرونی دیا سلائی کے لئے بمبئی سے دہلی تک کا ریلوے محصول اسی قدر ہے جس قدر کہ احمد آباد کی تیار شدہ دیا سلائی کا دہلی تک ہے حالانکہ موخرالذکر کا فصل تین سو میل کم ہے۔ یعنی دہلی احمد آباد کے مقابلہ میں بمبئی سے . . . .

. . . . بقدر تین سو میل دور ہے۔ اس طرح بیرونی تجارت کو امداد[2] پہنچانے کے ذوق میں بمبئی سے احمد آباد تک کے لئے پوری گاڑی کا محصول معاف کر دیا جاتا ہے احمد آباد کے صناعوں کے دہ سالہ احتجاج کے بعد محصولات میں اس قدر ترمیم کی گئی ہے کہ احمد آباد

---

1. N. B. Mehta's Indian Railways Rates & Regulations, P. 134-135.

2. Ibid, P. 149.

سے دہلی تک کا کرایہ دو روپے دو آنے گیارہ پائی مقرر کیا گیا اور بمبئی سے دہلی تک تین روپے سات آنے دو پائی -

ملکی مصنوعات مثلاً دیسی شکر وغیرہ کی تجارت کی عدم ترقی کے سبب کی جب تحقیقات کی جاتی ہے تو پتہ لگتا ہے کہ اس میں بھی غیر مساوی ریلوے محصولات کو بہت بڑا دخل ہے. غیر ملکی شکر کا محصول بمبئی سے کانپور تک کے لئے تیرہ آنے دو پائی فی من رکھا گیا ہے جس کا درمیانی فصل ۸۴۰ میل ہے مگر اسی طرح جب دیسی شکر کانپور سے (اکولہ (صوبہ متوسط) روانہ کی جائے تو اس کا محصول باوجود ۶۴۹ میل ہونے کے ایک روپیہ دو آنے چار پائی فی من لیا جاتا ہے - غیر ملکی اور دیسی اشیا کی نقل میں یہ بین فرق اور بھی غیر منصفانہ طریقہ پر نمایاں ہوجاتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دیسی اشیا کے مقابلہ میں غیر ملکی اشیا گراں قیمت ہوتی ہیں اور "گراں قیمت پر گراں محصول" کے اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے غیر ملکی اشیا پر اصولاً زیادہ محصول عائد کرنا چاہیئے[1] غیر ملکی شکر کا محصول بمبئی سے بارسی تک چھ آنے فی من رکھا گیا ہے بخلاف اس کے گڑ جو محض غربا کے کام آتا ہے اس کا محصول بارسی سے بمبئی تک

1. N. B. Mehta's Indian Railways Rates & Regulations, P. 149.

نو آنے نو پائی فی من رکھا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ محصول غیر ملکی شکر کے درآمد کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ سر مہتا کا خیال ہے کہ " دیسی[1] شکر کے مقابلہ میں غیر ملکی شکر پر ریلوے محصول نہ صرف کم کر دیا گیا ہے۔ بلکہ گڑ کے مقابلہ میں بھی اُسے سستا رکھا گیا ہے جو محض ایک حقیر شئے ہونے کی وجہ سے غریبوں اور مفلسوں ہی کے کام آتا ہے۔

ہندوستان کے اندر فرنگی صنعت کو ترجیح دینے کی ایک روشن مثال یہ ہے کہ دہلی سے دیگر ہندوستانی پارچہ بافی کی صنعت گاہوں کے محصولات کا فرق بمقابلہ کانپور کے (جو فرنگی پارچہ بافی کی صنعت گاہ ہے) نمایاں طرح پر قائم رکھا گیا ہے۔ جوڈانی سے کانپور کا فصل ۲۳۶ میل ہے۔ مگر روئی کی گانٹھ اگر جوڈانی سے کانپور روانہ کی جائے تو محصول فی من پانچ آنے۔ لیکن اسی جگہ سے اگر روئی دہلی روانہ ہو تو باوجود ۱۲۸ میل فصل ہونے کے ریلوے محصول چھ آنے سات پائی مقرر کر دیا گیا ہے۔ مسٹر مہتا کے بیان کے مطابق " اِس[2] غیر مساویانہ سلوک کا یہ نتیجہ ہوا کہ دہلی کی پارچہ بافی کی ملیں بند ہو گئیں "

1. N.B. Mehta's Indian Railways Rates & Regulations, P.149.

2. Ibid, P. 149.

یہی حال دیگر خام اجناس کا بھی ہے جب انہیں ملک سے باہر بھیجنے کے لئے بندرگاہوں پر روانہ کیا جاتا ہے تو ریلوے محصول سستا رکھا جاتا ہے اور جب اسی کو اندرونِ ملک کے صنعتی مرکزوں پر بھیجا جاتا ہے تو محصول گراں کر دیا جاتا ہے۔ مسٹر گھوش کا بھی یہی خیال ہے کہ ان غیر متوازن ی محصولات کے ذریعہ حکومت غیر ملکی تجارت کی امداد کرتی ہے؛[1] نیز باربرداری کے ذرایعوں کے فوائد سے انکار کئے بغیر اسے مان لینا پڑے گا کہ موجودہ اقتصادی حالات کے ماتحت یہ ذرائع اپنی ضروریات اور احتیاج سے بعید فاصل ہیں۔ ہندوستان میں ریلوے کا اجرا اس وقت کر دیا گیا جب اس کے لئے کوئی اقتصادی مجبوری پیدا نہیں ہوئی تھی حالانکہ اس کے اجرا کا سبب اقتصادی مجبوری اور دباؤ ہونا تھا اور یہی وجہ ہے کہ محکمہ مذکور اپنا خرچ آپ برداشت نہیں کرتا۔ اور مالیات ہند کا ایک کثیر حصہ اس غیر اقتصادی اور غیر فطری محکمہ پر صرف ہو جاتا ہے۔ اور ان تمام مذکورہ بالا نظایر پر غور کرنے کے بعد صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ریلوے ہمارے لئے ایک رحمت ثابت نہیں ہوئی اور نہر، باربرداری اور صحت عامّہ کے ضروری محکموں کو نظرانداز

1. Lectures on Indian Economics, Part II, P. 36.

کرتے ہوئے ملکی سرمایہ کو محض محکمہ ریلوے پر لگائے جانا اصراف کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اور پھر یہ اصراف کسی اتفاقی غلط فیصلہ کے باعث نہیں ہوا ہے، بلکہ حکومت پورے ارادہ اور زور کے ساتھ سالہا سال پبلک کے اعتراضات کے باوجود، اس پر عمل پیرا ہوتی رہی۔ ریلوے کے غیر متوازی محصولات کوئی نئی چیز نہیں ہیں۔ ملک کے خصوصی صنعتوں کے فروغ اور ترقی کے لئے اس پر ہر ملک میں عمل کیا جاتا ہے۔ مگر ہندوستان کی ریلوے ایسی حکومت کے قبضہ میں ہے جو ملک کا "متولی" تو بنا بیٹھا ہے مگر اس کی مجرمانہ لاپرواہی ہندی محصول دہندوں کے حق میں مصیبت انگیز اور افسوسناک ثابت ہو رہی ہے۔

ماہر اقتصادیات مسٹر ڈی۔ ای۔ واچا کا خیال ہے کہ "وہ قرضے[1] جو اجرائے ریلوے کے لئے حکومت نے لئے اس کا بار ہندوستانی آبادی براہ راست اٹھا رہی ہے۔ اور اگر کسی کے حق کی حفاظت کی ضرورت تھی، تو وہ ہندوستانی محصول دہندہ کی تھی نہ کہ ان مٹھی بھر پردیسی غاصبوں کی جو آج ہیں اور کل نہیں، اور جنہوں نے ہندوستان کو اپنا خوبصورت شکار گاہ بنا رکھا ہے۔

---

1. D. E. Vachha's Indian Railways Finance, P 160.

ایسی ریلوے پالیسی قطعی ناقابل معافی ہے۔ جو قلیل التعداد جماعت کے فوائد کے مقابلہ میں لاکھوں ملکی باشندوں کے فوائد کو نظر انداز کردے۔ فی الحال دوسرے مسئلوں کی طرح ریلوے کا مسئلہ بھی غیروں کے ہاتھ میں ہے جو اپنی ہی راگ الاپتے جاتے ہیں اور اس سارے تماشے کا بار غریب ہندوستانی محصول دہندہ کے سر رکھا جاتا ہے۔

ولیم ڈگبی[1] لکھتا ہے کہ "ریلوے نے ملک میں خام اجناس کی نقل وحرکت کو آسان کردیا ہے مگر یہ افزائش پیداوار کا سبب نہیں ہوسکی۔ ریلوے کی مدد سے جو خام اجناس ملک کے باہر روانہ کی گئیں اُس کا کچھ قلیل منافع باشندگان ملک کو بھی ملا مگر بقیہ سارے کا سارا منافع ہاتھ سے نکل جانے کے باعث ملک کی ہلاکت اور بدنصیبی کا دائمی سبب ہوگیا ہے۔ خام اجناس کی برآمد اور مصنوعات کی کھپت کا مطالبہ دن بدن بڑھتا جاتا ہے کہ انگلستان کے کثیر مالی مطالبہ کو پورا کیا جاسکے اور ملک کو تباہی کے گھاٹ اُتار اُتار کر یہ ریلوے اس غیر ملکی طرز حکومت کو پوری طرح امداد پہنچا رہی ہے۔"

جہاں تک ہندوستان کو اس کے بندرگاہوں سے ملانیکا تعلق ہے ریلوے لائنوں کو پوری طرح ترقی دی گئی ہے ۔ مگر

1. William Digby's The Ruining of India, P. 9.

دیہاتی اقتصادیات کے نقطۂ نگاہ سے اندرون ملک میں چھوٹی ریلیں اور نہری راستوں کے نکالنے میں افسوسناک بہلو[1] تہی برتی گئی حکومت نے برطانوی ایوان تجارت کے ہنگاموں پر تو توجہ کی لیکن ہندوستانیوں کی فریاد پر توجہ نہ کی۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو توسیع ریلوے ایک حد تک ہندوستان کی گذشتہ قحط سالیوں کی ذمہ دار ہے جو پے در پے ہوتی رہی ہیں کیونکہ دور کے بازاروں کی خاطر ملک کا پسماندہ غلہ بھیج جایا کرتا تھا۔ گو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قحط زدہ علاقوں میں دوسری جگہوں سے انھیں ریلوں کے ذریعے غلہ پہنچایا گیا ہے اور وہاں کی مصیبت دور کی گئی ہے، مگر حقیقت میں یہ تو علاج کی صورت نہیں ہوئی حالانکہ اصلی اور حقیقی کام قحط کے امکانات کو دور کرنا تھا اور ایسی بہتر اقتصادی کیفیات کا پیدا کرنا تھا کہ رعایا مالیہ کی ادائیگی کے لئے اپنا حقیر اندوختہ بیچ دینے پر مجبور نہ ہو جائے مگر اس وقت اس طرح کی کوئی آسانیاں موجود نہیں ہیں اور ریلوے مال گاڑیوں کے غیر متوازی سستے محصولات نے غیر ملکی خریداروں کو اس قدر دلیر کر دیا ہے کہ وہ فصل کی تیاری سے پہلے ہی اُس کی خریداری ختم کر دیتے ہیں۔ ان اسباب پر جب

1. Radha Kamal Mukerji's The Rural Economy of India, P. 225.

غلہ ملک سے باہر ہو جاتا ہے تو ملک میں غلے کی گرانی ہو جاتی ہے اور لوگوں کی مصیبتیں اپنی جگہ پر اسی طرح قائم ودائم رہتی ہیں۔

مذکورہ بالا حالات سے واضح ہو گیا ہو گا کہ کس طرح تعمیرات ریلوے پر بے دریغ روپیہ صرف کیا گیا جس نے یا تو جنگی مقاصد کو پورا کیا یا پھر غیر ملکی تاجروں اور صناعوں کے فائدے کی موجب ہوئیں۔ بہرحال ہندوستانی محصول دہندہ کا نہ اس سے کچھ فائدہ ہوا اور نہ یہ تعمیرات اس کی طاقت پیداوار کو بڑھا سکیں بلکہ اقتصادی حالات کے خلاف توسیع ریلوے کا یہ نتیجہ ہوا کہ محکمہ مذکور اپنا خرچ پورا نہیں کرتا اور حکومت کو معاونت کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔

ریلوے پر بے دریغ روپیہ بہانے کے باوجود جس سے غریبوں کا کچھ بھی بھلا نہ ہوا، حکومت نے بقیہ سرمایہ کے لئے بھی خرچ کے ایسے ہی غیر ضروری اور بے منفعت وسائل تجویز کئے جن سے عوام کی بہتری و بھلائی کو کوئی سروکار نہیں۔ اس سلسلہ میں مسٹر ایچ این ہائینڈمین تحریر کرتے ہیں کہ "یہ غیر ملکی حکومت تو اور بھی مصرف ہو گئی۔ نئی دہلی اور دارالسلطنت ڈھاکہ کی تعمیر میں جس طرح کروڑوں کا صرف کیا گیا، حکومت کے لایعنی اسراف کا بین ثبوت ہے اور پھر ان

1. H. N. Hyndman's The Truths about India, P. 43.

مہلکانہ اخراجات کے قائم رکھنے کے لئے لگان کی وصولی میں جس طرح سختی روا رکھی گئی، اس نے کاشتکار کو غریب سے غریب تر بنا دیا۔

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مساواتِ تقسیم کا نظریہ حکومت کے تمامی اخراجات میں کارفرما ہے تو اس اصول پر بھی حکومت کی مالی پالیسی صحیح نہیں اترتی۔ ایک کثیر رقم بغیر ہندوستان آئے ہوئے انگلستان میں ہی رہ جاتی ہے جس کا کوئی فائدہ ہندوستانی محصول دہندہ کو نہیں ہوتا، گویا ان بیچارے فاقہ مستوں کے ثمرات محنت کی ایک گھنگور گھٹا اٹھتی ہے اور پانچ ہزار میل دور بسنے والے خوشحال باشندوں پر برس کر ان کی زراعت اور خوشحالی کا باعث ہو جاتی ہے۔

پروفیسر شاہ کا اندازہ ہے کہ چار سو کروڑ کے مجموعی محصولات میں سے تقریباً دو سو کروڑ روپیہ تو ضرور اس طرح صرف ہو جاتا ہے جس سے ہندوستانی محصول دہندہ کو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی میں وہ رقوم بھی شامل ہیں جن کے خرچ کرنے کا حق معاہدوں کے ماتحت صرف وزیر ہند کو ہے اور اس میں حکومت ہند کا کوئی دخل نہیں، اور انہیں رقوم کو "مطالبات وطن" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

مسئلہ مبادلت میں حکومت روپیہ کی قیمت کو برقرار رکھنے

کی پرواہ نہیں کرتی۔ حالانکہ اسے قائم رکھنے سے عوام کی استعداد
خریداری کو درست رکھا جا سکتا ہے۔ مگر حکومت تو اشرفیوں کے
نرخ کے نقطۂ نگاہ سے روپیہ کی قیمت کو قائم رکھتی ہے، جس سے
غیر ملکی تاجروں کو فائدہ ہو۔ اسی مقصد سے مبادلات خارجیہ کو ذخیرۂ
معیار مبادلہ طلائی کے ذریعہ قائم رکھا ہے اور اس چار کروڑ کے
ذخیرے کے علاوہ دو کروڑ سرمایہ محفوظ زر کاغذی بھی تھوک سونے اغذی
اور رہن کے ذریعہ لندن میں محض وہاں کے تاجروں کی خاطر محفوظ لت
کر لیا ہے بغرضیکہ ہندوستان کو اس کے مجموعی چھ کروڑ روپے سے
کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ تجارتی بینکوں کی اگر کبھی بھی ملک
میں حاجت تھی تو اب ہے۔ مگر ان کثیر المقدار خزانوں کو لندن میں رکھ کر
ہندوستانی بنک کی ترقی کو مسدود کر دیا گیا ہے، جس کا نقصان دہ
اثر ملک کی فلاح اور بہبودی پر پڑ رہا ہے۔ سر ایم۔ ڈی۔ پی۔ ویب نے
اپنے اس نوشتہ میں جو چیمبرلین کمیشن کے سامنے پیش کیا گیا، تحریر
کیا ہے کہ "ذخیرہ معیار طلائی کو کلیتًا لندن میں رکھنے کی پالیسی کے
متعلق میرا خیال ہے کہ نہ صرف سونے کی برآمد کے مسئلہ میں ملک ہٰذا
کو دنیا کے دوسرے کنارے پہنچا دینے میں حکومت نے بے حد

Nadia & Goshio Money and Money Market in India. P. 250.

غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔" پھر وہ لکھتا ہے کہ "اپنی[1] ناکافی ذخیرہ طلائی کو محفوظ کئے اور تقویت دئے بغیر سارا سونا ایک ایسی جگہ جمع کر دینا جہاں کے تاجروں کو اپنی خوشحالی کے باعث اس کی ضرورت نہ ہو، ہندوستان کو ایسے اقتصادی خطرے میں ڈال دیتا ہے جس سے وہ جائز طرح پر استحفاظ طلب کر سکتا ہے۔" پروفیسر وادیا اور جوشی تحریر فرماتے ہیں کہ "حکومت[2] نے ساہوکاروں کا روپ لیا ہے اور وہ اپنے لا محدود اختیارات سے روپیہ کو اس طرح اندوختہ کر سکتی ہے جو غیر اقتصادی بنیادوں پر مبنی ہو اور جو ایسی بنیادوں پر مبنی ہو جس کا تعلق ملک کی تجارتی اور صنعتی ترقی سے کچھ بھی نہ ہو۔"

کچھ مسئلہ زر کو اس طرح چلانے کے سبب ہندوستان کو نقصان ہوا اور کچھ غیر مفید مصرفانہ اور ضائع کن اخراجات کے سبب جو حکومت نے روا رکھے ہیں، ملک تباہ و مفلس ہو کر رہ گیا۔

اُس ملک کی تباہی اور فلاکت کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے جس پر ایسی اقتصادی مصیبتیں نسلاً بعد نسلاً قائم رہی ہوں۔

---

1. Vadia and Joshi's Money and Money Market in India, Page 250.

2. Ibid, Page 250.

فصل پنجم

محاصلِ ملکی

ہندوستان جیسے غریب اور زرعی ملک میں لگان کا بڑا حصہ غریب عوام ہی سے بالواسطہ بذریعہ محصولات وصول کیا جاتا ہے۔ بنابریں ایک بڑی ذمہ داری حکومت پر یہ آجاتی ہے کہ وہ اس امر کی نگہبانی کرے کہ غربا کی ضروریات پر زیادہ محصولات عاید نہ ہوں اور اُسے چاہئے کہ محصولات تنزل آمیز (یعنی ایسا طریقۂ محصولات کہ جس میں آمدنی کے بتدریج ترقی کے ساتھ محصول کم ہوتا رہے) کے طریقے کو چھوڑ کر محصولات ترقی پذیر (یعنی جس میں افزائش آمدنی افزائش محصولات کا سبب ہوں) اور محصولات متناقص پر عمل درآمد کرے نیز بذریعہ محصولات متناقص ایسے حدود قائم کردئے جائیں تاکہ اس سے کم اور زیادہ پر آمدنیاں محصولات سے آزاد ہوجائیں۔ اشیائے درآمد و برآمد کے محصولات کا نقشہ اس احتیاط اور تجربہ سے تیار ہونا چاہئے

کہ جس سے متوسط اور غربا کی ضروریات زندگی پر اثر نہ پڑے۔

ہر چند حکومت کا بار سارے باشندوں پر تقسیم ہو جانا چاہیئے مگر نہ اس طرح کہ زیادہ بار غربا پر پڑ جائے۔ ان کی ضروریات زندگی پر بار ڈالنے سے پہلے تمام دیگر ذرائع آمدنی کا جائزہ لے لینا چاہیئے

اخراجات اور وصولی محصولات میں بہترین نظم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اخراجات کو حساب سے رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ آمدنی کے تناسب سے کچھ بھی اخراجات کی زیادتی نقص انتظام کا پتہ دیگی، خواہ وہ کسی انتظامی ضرورت سے ہو یا کسی اصولی ضرورت کے ماتحت عمل میں آئے۔

حکومت کو ایسی تجارتی اور صنعتی کوشش میں جس کا اثر غربا پر پڑتا ہو، محصولات کے نقصان کا خیال نہ کرنا چاہیئے اور ملک کی ضروریات کے مطابق ذرائع دولت کو فروغ دیتے رہنا چاہیئے۔ ان امورات کو پیش نظر رکھتے ہوئے محکمہ نہرا اور صیغہ بار برداری کے محصولات کی کمی کا خیال رکھنا چاہیئے کہ جس سے غربا کی پیداوار دولت پر خاص اثر پڑتا ہے۔

افسوس ہے کہ ملک میں جہالت پھیلی ہوئی ہے اور مصنوعات کے استعمال میں لوگ اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے کہ وہ کن کن

چیزوں کا استعمال کریں اور کن کن اشیار کا استعمال ان کے اخلاق و مادی نقصان کا موجب ہو سکتا ہے۔ پس حکومت کو چاہئے تھا کہ وہ درآمد پر اس طرح محصولات لگائے کہ جس کی وجہ سے آمدنی کو نقصان پہنچے بغیر لوگوں میں غیر ضروری اشیار کا استعمال کم ہو جائے۔

رعایا کی استعداد ادائیگی محصولات کے اندازہ کرنے کے علاوہ حکومت کو یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ محصول دہندہ کے لئے ادائیگی کا کونسا وقت اور موقع بہتر ہوگا اور ملک کی آئندہ پیداوار پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔

وصولی محصولات کا اصول اسطرح قائم کرنا چاہئے کہ ایک مناسب حد تک آمدنی کا بھاؤ برابر دائم و قائم رہے اور رعایا کو کوئی نقصان پہنچے بغیر حکومت کے اخراجات کے لئے روپیہ بر وقت ملتا رہے۔

سنہ ۱۹۲۵-۲۶ء کے نقشہ اعداد و شمار کے خلاصہ سے مرکزی اور صوبہ داری حکومتوں کی تمامی مدات آمدنی بعد منہائی اخراجات درج کئے جاتے ہیں جس سے ظاہر ہو گا کہ ہر صیغہ کی آمدنی فی صد کے حساب سے کس قدر ہوتی ہے اور آئندہ صفحات میں بھی دکھایا جائے گا کہ بعض مدات آمدنی میں ترقی کی گنجائش موجود ہوتے ہوئے

بعض دیگر سیاسی وجوہ کی بنا پر کس طرح قصداً نظر انداز کیا جا رہا ہے

	خام آمدنی سے فی صدی اخراجات کی منہائی	بجٹ آمدنی
جنگی	۱،۷	۴۶،۹۶،۱۸،۵۱۷
محصولات (انکم ٹیکس)	۳،۶	۱۵،۵۳،۳۲،۱۳۴
محصولات نمک	۱۹،۷	۵،۰۷،۹،۶۱۹
محصولات افیون	۵۰،۸	۲،۳۹،۵۲،۴۳۷
مالگذاری	۱۱،۶	۳۱،۴۳،۷۹،۳۲۴
اسٹامپ		۱۳،۲۸،۵۲،۲۰۵
آبکاری وادویات		۱۷،۲۹،۱۳،۶۴۱
جنگلات		۲،۶۳،۰۰،۳۱،۰۲۹
رجسٹری		۷۸،۱۴،۶۷۹
خراج (Tributes)		۸۴،۲۹،۴۸۲
محصولات مختص (یا ابواب)		۳۴،۷۸،۲۱۰

	آمدنی	خرچ	بچت
ریلوے	۳۴،۴۳،۴،۷۵۹	۲۸،۹۲،۱۷،۷۸۷	۵،۵۱،۲۲،۹۷۲
نہر	۳،۷۴،۹۴،۵۴۹	۱،۳۵،۹۰،۵۳۵	۳،۷۴،۹۴،۵۴۹

	آمدنی	خرچ	بچت
تار و ڈاک	۲۲۰،۳۵،۸۶	۱۳۴،۹۶،۰۰،۵۰	۰۸۵،۶۶،۳۵
منافع مبادلت سوڈ ٹکسال	۱۰۱،۸۹،۳۶،۴	۱۳،۱۱،۷۰	۰۰/۸۸،۶۸،۷،۹۳،۳
غیر معمولی	۲۰۲،۶۹،۱۸،۲	۱۹،۴۴،۳۶،۳	۴۸۳،۴۴،۳۴،۱۰۹۲

جنگی جنگی کے لگانے میں جس طرح اشیار کی تقسیم کی گئی ہے اس سے یہ پتہ چلنا مشکل ہو گیا ہے کہ محصولات کے لگانے کا کونسا اصول کار فرما ہے۔ لیکن بڑی تلاش و تجسس سے جو کچھ پتہ لگ سکا ہے اُس کی تفصیل درج ذیل کی جاتی ہے۔

رقم لاکھ میں ظاہر کیگئی ہے

محصولات برآمد ۵،۸۹

محصولات جنگی بر سٹرول ۷۷

محصولات درآمد

موٹر سائیکل وغیرہ ۳۳۲

شراب و دوا وغیرہ...... ۲۵۴

مشین ریلوے گاڑیاں.... ۱۲۴

مصنوعات پارچہ جات لوہا وغیرہ ۸۲۹

میزان ۲،۲۰۵

مذکورہ بالا محصولات چونکہ بہت حد تک سامان آسائش پر لگائے گئے ہیں اس سے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا اثر متوسط طبقہ کے لوگوں پر پڑنا ایک قدرتی امر ہے۔ چنگی کی بچت کی آمدنی چھیالیس کروڑ چھیانوے لاکھ (۴۶،۹۶ لاکھ) ہوتی ہے اس رقم میں اگر ہم اس ۴% فی صدی آمدنی کے اضافہ کا حساب لگائیں جو مبلغ ۲،۰۵ لاکھ پر متوسط طبقہ کو بصورت کمیشن اور اخراجات مل جاتا ہے تو چنگی کی مجموعی آمدنی ۴۸،۷۴ لاکھ ہو جاتی ہے۔ پس اس مجموعی آمدنی سے متوسط الحال لوگوں پر اثر ڈالنے والی رقم کو جب منہا کیا جائے (۴۸،۷۴ - ۲،۰۵) تو مبلغ ۲،۶۷۹ کی وہ رقم مل جاتی ہے جس کا اثر غربا کی ضروریات زندگی پر پڑتا ہے۔
حکومت کے نقشہ جات چنگی کے نقائص کے باعث اس کا پتہ لگانا مشکل ہو گیا ہے کہ مختلف طبقوں پر چنگی کے محصولات کا کیا اثر پڑتا ہے اور سال بہ سال اس انداز کو صحت کے ساتھ لگانا مشکل ہو گیا ہے تاہم کاغذات کے بغور مطالعہ سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ شرح تبادلہ کو برقرار رکھتے ہوئے محصولات ساری جماعت پر متوازی طرح پر زیادہ ہوتے گئے ہیں:-
زراعتی ملک ہونے کے سبب یوں بھی نسبتاً چنگی کی آمدنی

کم ہوتی ہے اس پر بھی "آزادیٔ تجارت" کے اصول نے جو بھی گنجائش موجود تھی اُس کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اور اس اصول کے اجرا نے محصولات جنگی کی آمدنی کو بیحد گرا دیا ہے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ ممالک بھی جن کی صنعت اور تجارت برسر فروغ ہے کس طرح اپنی آمدنی کی خاطر اور دیگر اقتصادی وجوہ کی بنا پر جنگی لگایا کرتے ہیں، تو اپنے ملک کی بے بسی اور لاچاری کا اندوہناک اندازہ ہوتا ہے۔ آمدنی کو بڑھانے کے مواقع کے ہوتے ہوئے غیروں کے فائدے کے خیال سے ملک کی آمدنی برباد کی جاتی ہے۔

مختلف ممالک میں برطانوی مال پر جنگی کی کیا شرح ہے؟ اس کو دکھانے کے لئے وہاں کی ایوانِ تجارت نے ایک نقشہ ۱۹۰۴ء میں تیار کرایا تھا جو ہماری بصیرت کا بہت کچھ سامان فراہم کرتا ہے وہ یہ ہے:-

---

1. Wakils Financial Developement in British India, Page 442.

نام ملک	چنگی بحساب فی سیکڑہ	نام ملک	چنگی بحساب فی سیکڑہ
روس	۱۳۱	بلجیم	۱۳
ہسپانیہ	۷۶	ناروے	۱۲
جمہوریہ امریکہ	۷۳	پرتگال	۷۱
آسٹریا ہنگری	۳۵	فرانس	۳۴
ارجنٹائن ری پبلک	۳۸	اٹلی	۲۷
جرمنی	۲۵	سوئڈن	۲۳
یونان	۱۹	ڈنمارک	۱۸
کناڈا	۱۷	رومانیا	۱۴
نیوزیلینڈ	۹	جاپان	۹
ٹرکی	۸	سوئیزرلینڈ	۷
اسٹریلیا	۶	ساؤتھ افریقہ	۶
چائنا	۵	ہولینڈ	۳
برطانوی	۶		۳

نقشہ بالا کے دیکھنے ہی سے صاف ظاہر ہے کہ اِس ذریعہ آمدنی کو کس قدر کم ہاتھ لگایا جاتا ہے جبکہ خود برطانیہ کی نوآبادیات برطانیہ کے مال پر چنگی لگا کر فائدہ حاصل کرتی ہیں۔ ہندوستان میں

یہ مال محض نام نہاد چنگی پر داخل ہو جاتا ہے اور اس طرح برطانوی سرمایہ دار کی کھلی طرفداری کی جاتی ہے۔ اشیاء برآمد کی چنگی میں بھی ہندوستان کے فائدے سے زیادہ برطانوی تاجر کا خیال، مدنظر ہوتا ہے۔ گیہوں جو ملک میں گراں اور کمیاب ہو جاتا ہے اگر اس کے برآمد پر زیادہ چنگی لگائی جائے تو ملک میں غلہ رُک جائے اور نسبتاً سستا ہو جائے۔ پروفیسر مارشل کا خیال ہے کہ "ایسے[1] ملک میں جہاں غلہ کی نکاسی ہوتی ہو درآمد اور برآمد لگا دینے سے ملک میں اشیا کی گرانی ایک طریقہ سے کم ہو جاتی ہے۔ اور لگان کا گھٹ جانا بھی ممکن الوقوع ہے۔ مگر اس قوم کے لئے جس کی غربت کا یہ عالم ہے کہ دو وقت پیٹ بھر کھانا ملنا مشکل ہے" وہاں چنگی، غلہ کی رکاوٹ اور ملک میں اُس کے استعمال کا باعث ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں حکومت کے فائدے یا نقصان کے متعلق کچھ کہنا ایک مشکل امر ہے۔ مگر ملک میں غلہ کا استعمال بڑھ جانا یقینی ہے اور قحط کے سدباب کا یہ بھی ایک مؤثر طریقہ ہو سکتا ہے۔ آزادی تجارت کے سبب سے کم قیمت اشیاء کا فائدہ محض اُس جماعت کو ہوتا ہے جو انگریز

1. Alfred Marshall's Industry and Trade, P 762,

اور خوشحال ہندوستانیوں پر مشتمل ہے اور بدیسی کپڑے اور دیگر اشیاء کا استعمال شوق سے کرتے ہیں۔ چونکہ اس ذریعہ آمدنی کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور اس پر چنگی برائے نام وصول ہوتی ہے تو قدرتاً حکومت کو دوسرے ذرائع آمدنی مثلاً نمک، مالگذاری وغیرہ پر زیادہ دباؤ ڈالدینا ہوتا ہے تاکہ اس کے اخراجات پورے ہوسکیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زیادہ محصولات کا بار ملک کے اُس اقتصادی طبقہ پر پڑتا ہے جو غیر ملکی مصنوعات سے بہرہ مند ہونے کی کچھ بھی صلاحیت نہیں رکھتا اور نہ ان کی کوئی شنوائی ہو۔ علاوہ اس ہلکی چنگی کے جو روا رکھی گئی ہے، ایک دوسرے طریقے کا محصول متوازی بھی وصول کیا جاتا ہے۔ جس سے ملکی اشیاء کے استحفاظ سے زیادہ افزائش آمدنی مقصود ہوتی ہے۔ روئی پر سے وہ محصول جس پر بے حد احتجاج کیا جارہا تھا ۱۹۳۶ء میں بہ مشکل اُٹھایا گیا مگر یہ اُس وقت ہوا جب ملک کی ایک مفید اور کامیاب صنعت تباہ ہوچکی اور وہ پارچہ بافی کی ایسی صنعت تھی جس میں ہندوستان نسبتاً دوسروں سے زیادہ کامیاب رہ سکتا تھا۔ مسٹر ہولینڈ کے مقولہ کے مطابق[1] "انگریزوں کا اصلی

1. W. E. S. Holland's The Indian Outlook, P. 156.

نقطۂ نگاہ ہندوستان کے ذریعہ انگلستان کو توانگر بنانا رہا ہے" اور مزید برآں یہ بھی کہتا ہے کہ "ایک[1] ایسی حکومت ہند جس کا مقصود ہندوستان کی بھلائی کے علاوہ اور سب کچھ ہو اور جو حکمراں قوم کی تجارت کو فروغ دینے کے لئے ملک کی اقتصادی ترقی کو روکتی ہو، اُس قوم کی نظروں میں جو اس کی محافظت میں چلی گئی ہو، شدید دغابازی کی مجرم ہے۔" افسوس! کیسے اچھے خیالات ہیں، مگر صاحب موصوف ایک مبلغ ہونے کے سبب اس کا اندازہ نہ کرسکے کہ یہ ظالمانہ اصول ہر روز دنیائے سیاست میں برتے جارہے ہیں۔

حکومت ہند کی صرف اس پولیسی (محصولات برآمد درآمد اور غیر متوازی محصولات ریلوے نے ہندوستان کی غربت وافلاس کی انتہا کردی ہے اور یہاں کے غریب ایک انگریزی مثل کے مطابق انگلستان کے فائدے کی خاطر لکڑ ہارے اور پنہارے ہوکر رہ گئے ہیں۔

ہندوستان کی تاریخ اقتصادیات میں پروفیسر مارشل[2] نے اس اصول کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے کہ "جتنا ہی ایک

1. W. E. S. Holland's The Indian Outlook, P. 158.
2. Alfred Marshall's Industry and Trade, P. 762.

ملک مصنوعات کے درآمد کے بدلے میں خام اجناس برآمد کریگا، اُسی قدر قانون تکثیر حاصل کے ماتحت نقصان اور گھاٹے میں رہے گا۔ جب ایسے اقتصادی اصول کارفرما ہوں تو ہندوستان کو خوشحالی کی کیا امید ہوسکتی ہے۔

پروفیسر مارشل لکھتا ہے کہ "بین[1] الاقوامی تجارتی پولیسی میں انگلستان کی تمام نوآبادیات تو اپنے تجارتی استحقاقات کا پورا خیال رکھتی ہیں مگر ہندوستان اپنی کمزوری کے باعث لاچار و مجبور ہے۔ انگلستان کا فرض تھا کہ ہندوستان کے مقاصد کی نگہبانی اس طرح کرتا گویا وہ بھی اُس کے اپنے ہی مقاصد ہیں" پھر وہ حاشیہ میں اس کی مزید تشریح کرتا ہے کہ "انگلستان کو اپنے ملکی درآمد پر تامین (حفاظتی محصول) کا کوئی استحقاق نہیں ہوسکتا: خواہ اپنی صنعت کی حفاظت کے لئے اس کی کیسی ہی ضرورت کیوں نہ ہو، جب تک کہ ہندوستانی ملکی صنعتوں کو برطانیہ اور دیگر مغربی ملکوں کے مقابلہ سے محفوظ کرنے کے لئے تامین کا اصول یہاں بھی نہ جاری کیا جائے"۔ حقیقت میں یہ ایک اعلیٰ تخیل ہے: "دوسروں کے ساتھ وہی سلوک روا رکھو جو دوسروں سے

1. Alfred Marshall's Industry and Trade, P. 653.

چاہو۔" مگر اس زریں اصول پر شخصی زندگیوں میں تو عمل ہوتا ہی نہیں، چہ جائیکہ اجتماعی زندگی میں اس پر عمل کیا جائے۔

موجودہ قومیت زدہ سیاسی دور میں اس کا خیال ہی بیکار محض ہے جبکہ اقتصادی لوٹ کا بازار گرم ہے۔ حیرت زدہ ہو کر رہ جانا پڑتا ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ سنجیدہ اصحاب علم بھی یہی خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے ہندوستانی حکمراں کتاب مقدس کے پہاڑی وعظ کو شمع ہدایت بنا کر انہیں اخلاقی اصولوں پر ہندوستان میں حکومت کر رہے ہیں۔ مسٹر ہل نے اپنے خیالات کو نہایت عمل طرح پر پیش کیا ہے۔ جب وہ یہ کہتا ہے کہ "حکومت ملک کے لوگوں کے ہاتھ میں ملک کے لوگوں کی بھلائی کے لئے ہوا کرتی ہے" مگر ہندوستان میں یہی مقولہ ایک دوسری طرح پر پیچ ہو جاتا ہے، یعنی ہندوستان پر برطانوی حکومت برطانوی بھلائی کے لئے اور اس عقیدہ کی جھلک مسٹر ہولینڈ کے بیان سے صاف نمایاں ہے کہ "اس[1] وقت تک ہندوستان کی سیاسی ترقی اور اقتصادی بھلائی کو ان خارجی ہاتھوں میں چھوڑنا بالکل غیر محفوظ ہے جب تک کہ ان کی ہندوستان

---

1 W. E. S. Holland's The Indian Outlook, P162.

پر حکمرانی کی پولیسی کا دارو مدار برطانوی سرمایہ داری اور صنعت کی حفاظت پر ہے۔[1] اور اسی سلسلہ میں وہ پھر لکھتا ہے کہ ہندوستان کی اقتصادی حالت اس وقت تک نہ تو طاقت پذیر ہو سکتی ہے اور نہ شاہ راہ ترقی پر آسکتی ہے جب تک کہ اس کی سیاسی قسمت کی باگ ایک غیر قوم کے ہاتھ میں ہے۔[1] اسی مصنف نے ایک ڈنڈی کے تاجر کی اس گفتگو کو بھی نقل کیا ہے جو بہت تھوڑا عرصہ گذرا کہ اس نے گورنر بنگال سے کیا تھا کہ "یہ کیا ہی عظیم الشان ملک ہے مگر حسرت اس بات پر ہے کہ اس میں نیٹوں بلاہی بستے ہیں۔[2] یہ فرنگی بھی کیا ہی نیک انسان ہیں! آزادی تجارت کا اصول دو برابر والی طاقتوں میں تو مستحسن ہو سکتا ہے۔ مگر یہی اصول غیر متوازی طاقتوں کے درمیان کمزور کے استیصال اور نقصان کا موجب ہو جاتا ہے خصوصاً جبکہ مالیہ پر بھی فریق غالب ہی کا دست رس ہو جائے۔ کار آمد اور مفید صنعتوں کے لئے تامین کچھ حدود کے اندر کامیاب ثابت ہو جاتا ہے اور اس سے ملکی صنعت جلد طاقتور ہو کر مقابلہ کے لایق ہو جاتی ہے۔

---

1. W. E. S. Holland's *Indian Opinion*, P. 166.

2. W. E. S. Holland's *The Indian Outlook*, P. 161.

جب ہم دیکھتے ہیں کہ خود برطانیہ کی نوآبادیات اپنی قسمتوں کی آپ مالک ہیں اور ہندوستان اپنے اقتصادی سوراج سے محروم کر دیا گیا ہے۔ چونکہ وہ لاچار اور بے بس ہے تو ہم آسانی سے یہ سمجھ لے سکتے ہیں کہ ہندوستان کے لئے "شاہی ترجیح" کا اصول بھی محض بے فائدہ بلکہ ضرر رساں ہے اور اس کا مقصد بھی تجارت برطانیہ کی ترجیح کے سوا اور کچھ نہیں۔

محصول آمدنی
دیگر طریقوں کے مقابلہ میں محصول آمدنی کا طریقہ ساری دنیا میں رواج پا رہا ہے اور محصولات کے تمامی طریقوں میں اسے بہت جائز اور مناسب طریقہ تسلیم کیا جا رہا ہے۔ جبکہ دوسرے قسم کے محصولات سے غربا پریشان ہو رہے ہیں۔ اس محصول آمدنی کے طریقہ سے جس قدر روپیہ وصول ہونا چاہئے تھا نہیں وصول ہوتا بہت قسم کی آمدنیاں اس محصول سے ماسوا کر دی گئی ہیں۔

انگلستان کے قرضوں کا کروڑوں روپیہ حکومت ہند ہر سال انگلستان کو ادا کیا کرتی ہے اور اس گراں قدر رقم سے محصول آمدنی اس لئے وصول نہیں ہو سکتا کہ وہ ہمارے حدود اقتدار سے باہر رکھی گئی ہے۔ ایک ایسا قانون ہونا چاہئے تھا کہ ہندوستان

اپنے غیر ملکی مہاجنوں کو سود ادا کرتے وقت اپنے ملکی محصول آمدنی کو وضع کر لیا کرتا۔ مسٹر شاہ اور کھمباٹا کا تخمینہ ہے کہ اس مد سے کم از کم دو کروڑ سالانہ کی آمدنی حکومت ہند کو ہو جاتی۔[1]

آمدنی کا ایک اور ذریعہ جو محصولات آمدنی کی زد سے بچا ہوا ہے وہ بڑے بڑے زمینداروں کی آمدنی ہے جو صرف مداخل (زمینداری) ہی ادا کرتی ہیں۔ بخلاف ترقی کن محصولات آمدنی کے مذکورہ بالا ٹیکس ایک قسم کا تناسبی محصول ہے جو زراعتی آمدنی پر قایم کر دیا جاتا ہے حالانکہ یہاں پر اصول استعداد ادائگی پر بھی عمل کرنا چاہیے۔ ایک درجہ خوشحالی کے بعد ہر آمدنی پر خواہ وہ تجارت سے ہو خواہ زراعت سے، محصولات آمدنی کی تشخیص ہونی چاہئے اور وہ بھی اس طرح پر کہ ہر ایک آمدنی کی ترقی کی حد پر محصولات کا اُتار ہوتے جانا چاہئے۔ ماہرین متذکرہ بالا کا خیال ہے کہ اس طرح بھی حکومت کو دس[2] کروڑ سالانہ کی آمدنی ہو سکتی ہے۔

محصول فوتی (Death Duties) جسے ہم سیاہ محصولات سے

---

1. K. T. Shah & Khambata's The Wealth & Taxable Capacity of India, P. 277.
2. Ibid, P. 278.

بھی تعبیر کر سکتے ہیں، ایک ایسا ذریعہ آمدنی ہے جو ابھی تک چھوا بھی نہیں گیا ہے کیونکہ بدیسی تاجروں کی بڑی بڑی املاک جیسے ہندوستان میں رہ کر وہ حاصل کرتے ہیں اور پھر اپنی ساری دولت سمیٹ کر انگلستان روانہ ہو جاتے ہیں، ہمارے محصولات کی زد سے قطعی محفوظ رہجاتی ہیں۔یہ ایک خطرناک صورت حال ہے کیونکہ یہ سارے فرنگی سفری پرندے ہیں اور جس حکومت کے زیر سایہ وہ اپنی ساری دولت جمع کرتے ہیں اُسے وہ بذریعہ محصولات اپنے سرمایہ سے کچھ بھی ادا نہیں کرتے بلکہ اپنا بار ملک کے غربا پر ڈال کر روانہ ہو جاتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ حکومت برطانیہ کے مشورہ سے ایک ایسی اسکیم تیار ہو کہ جس سے اس طرح کی املاک سے حکومت ہند کو اس قدر مالیہ وصول ہوا کرے جس قدر کہ اس کا واجبی حق ہے۔ اس وقت تو ہوتا یہ ہے کہ جو محصولات آمدنی واجبی طور پر حکومت ہند کو وصول ہونا چاہیئے تھے وہ حکومت انگلستان کی نظر ہو جاتے ہیں جو اپنے ملک ہی میں وصول کر لیا کرتی ہے۔

ہندوستان جیسے غریب ملک کے لئے محصول نمک کی ناانصافی پر بحث کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ کل رہنمایان ہند

نے اس ٹیکس کی سختی سے مخالفت کی ہے یہ ایک ایسی بُرائی ہے
جس سے صرف اقتصادی نقصان ہی نہیں پہنچتا بلکہ اخلاقی برائی
بھی پیدا ہوتی ہے۔ مسٹر ڈبلو۔ ایس۔ بلنٹ کہتا ہے کہ "نمک[1]
ہندوستان کے غریبوں کی غذا کا سہارا ہے۔ دکھن میں ہر جگہ
زمین پر نمک پھوٹتا ہے۔ مگر لوگ اس فراوانی کے باوجود نظری
نعمت سے محروم رہنے پر مجبور کئے جاتے ہیں"۔ وہ کہتا ہے کہ
"ان بستیوں سے جب میرا گذر ہوا تو غریب رعیتوں نے اپنی مصیبت
یہ بیان کی کہ جب وہ اندھیری رات میں محض مجبوراً اپنے مویشیوں
کو نمک چٹانے کے لئے نکالتے ہیں تو محافظین آبکاری مزاحم
ہوتے ہیں اور جانوروں کو کانجی ہاؤس میں ڈال آتے ہیں ان
محافظین کو ہدایت ہے کہ نمک کے قدرتی انبار کو برباد کردیں۔
بعض جگہ نمک کی قلت استعمال کے سبب سے لوگ جلدی
امراض کے شکار ہورہے ہیں اور حکومت ہے کہ اس محکمہ سے
۱۲۰۰ سے لے کر ۲۰۰۰ روپیہ فی سیکڑہ منافع حاصل کر رہی ہے
اور یہ منافع ہے جو تیاری کی لاگت پر حکومت کو حاصل
ہوتا ہے نمک کی آڑھتیں قائم کرنے کا خرچ پوری آمدنی کا

1. W.S. Blunt's India under Ripon, P. 243.

بقدر بیسواں حصہ ہے اور اس لحاظ سے یہ انتظام لایق صد ملامت ہے۔ مسٹر ریمزے میکڈونلڈ لکھتے ہیں کہ "محصولات نمک ایک ایسا ظلم ہے جو لوگوں میں بیداری پیدا ہونے کے بعد ان کی بے اطمینانی کا باعث ہو جائیگا اور یہ اس منافع گر کمپنی کی یادگار ہے جس کے عام ظالمانہ اور زر پرستی کے اصول سے ہندوستان کے غربا بھی محفوظ نہ تھے۔" یہ دلیل کسی طرح سے درست اور صحیح نہیں کہ اس ٹیکس سے لوگوں کو حکومت اور اس کی ذمہ داریوں کا علم اور احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ بلکہ ملک میں جہالت اور بے علمی کا اس قدر دور دورہ ہے کہ لوگ نہ اسے جانتے اور نہ سمجھ سکتے ہیں کہ نمک پر بھی ٹیکس ہے اور اگر وہ جان بھی جائیں۔ تو لاحاصل ہے کیونکہ حکومت میں ان کی کوئی مؤثر آواز نہیں۔ یہ استدلال تو ایک جمہوری حکومت کے لئے قابل قبول ہو سکتا ہے جو لوگوں کے سامنے ذمہ دار ہوتی ہے پس سیاسی نقطۂ نگاہ سے بھی اس ٹیکس کی نامعقولیت ظاہر ہے۔

ایسے محدود مقالہ میں اس مسئلہ پر بحث کرنا کہ آیا آمدنی کا مالگذاری یہ ذریعہ محصول ہے یا "لگان"، ایک مشکل امر ہے۔ موافق اور مخالف استدلال کے بیان کے بعد مسٹر بیڈن پویل اپنی یادگار تصنیف میں لکھتا ہے

کہ "مالگذاری[1] کی حیثیت لگان کی نہیں ہے" اور پھر تحریر کرتا ہے کہ "یہ آمدنی زرعی آمدنی پر ایک طرح کا محصول ہے"۔ خواہ کچھ ہو مگر جان برگ کے خیال کے مطابق جو اُس نے اپنی کتاب "ہندوستان کی موجودہ مالگذاری کا اصول" میں ظاہر کیا ہے کہ "ہمارے سامنے اب ایک ہی صورت باقی ہے کہ ہم اپنے اصول کی اس مغالطہ آمیز غلطی کو تسلیم کرلیں جو یہ بتاتا ہے کہ ہمیں کاشتکار کی بچت آمدنی کو لے لینے کا حق حاصل ہے اور اس کے مخالف کلیہ کو تسلیم کرلیں کہ جس قدر زیادہ منافع اس کے پاس رہنے دیا جائے گا اسی قدر قومی دولت اور بدیں وجہ مالیات عامہ کی افزائش کا باعث ہوجائے گا"۔

یہ استدلال کہ مالگذاری کے وصول کرنے پر بھی کاشتکار اپنی زمین آباد رکھے جاتا ہے یہ ظاہر کرتا ہے کہ زراعت اس کے منافع کا سبب ہے۔ یہ تخیل ایک "معاشی انسان" کے توہم کو قبول کرتا ہے۔ حقیقت میں اس استدلال کو کبھی قبول نہیں کیا جا سکتا جبکہ کاشتکار کے سامنے بھوک سے مرنے اور کاشتکاری

1. B. H. Badan Pawell's Land System of British India Vol: 1. P. 240. 2. Quoted by Professor V. G. Kala Indian Economic, P. 807.

کرنے کے سوا کوئی دوسرا چارۂ کار نہ ہو۔ اگر کاشتکار کے
سامنے زندگی کی اور راہیں کھلی ہوئی ہوں اور وہ ان دوسرے
ذرائع آمدنی کے ہوتے ہوئے کھیت جوتنا اور کاشتکاری کرنا
پسند کرتا تو متذکرہ بالا اصول لایق قبول ہو سکتا تھا (نہ کہ
اس وقت جبکہ کاشتکاری اور موت کے سوا کوئی دوسرا
راستہ نہ ہو) جاننے والے یہ بھی جانتے ہیں کہ ہندوستان بجد
قدامت پسند ملک ہے۔ کاشتکار اپنی موروثی زمین سے محبت
رکھتا ہے۔ اس میں لگا رہتا ہے اور مالگذاری کی سختی کے باوجود
بھی اپنی زمین نہیں چھوڑتا ہے۔ نہ تو لوگوں میں تغیر پسندی کا
مادہ پیدا ہوتا ہے اور نہ کوئی ایسا کھلا ہوا پیشہ موجود ہے جو
اختیار کیا جا سکے۔ ایسی صورت میں لوگ مجبور ہیں کہ وہ آدھا
ہی پیٹ کھا کر اپنی زمینوں میں لگے رہیں۔ غالباً مسٹر یوسف علی
کا یہ خیال صحت پر مبنی ہے کہ حکومت ہند[1] کے حصول مالگذاری
کا طریقہ بہتر سمجھے ہوئے اصولوں مگر گمراہ کن طریقہ عمل پر
منحصر ہے۔

طریقہ مالگذاری حصص ملک میں مختلف ہے مگر مالگذاری

1. A. Yusoof Ali, The Making of India, P. 238.

ہر جگہ روپیہ کی صورت میں ادا ہوتی ہے۔ یہ رقوم امکانی پیداوار کے تخمینہ پر تقریباً ۳۰ سال کی طویل مدت کے لئے ایک بار قائم کردی جاتی ہیں، پیداوار اور شرح بکری سے کسی سال بھی اس کا توازن درست نہیں ہوتا۔ پس خشک سالی میں کاشتکار اپنی مالگذاری کی ادائگی کے لئے مہاجن سے جو قرض لیتا ہے وہ اس کی مسلم مالگذاری کے تقریباً پچاسویں حصہ سے کم نہیں ہوا کرتا۔ ہر چند کہ برطانوی یہ دعوی کرتے ہیں کہ اس بارہ میں وہ مغل حکومت کے نقش پر چل رہے ہیں مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ شرح محصولات زمانہ قدیم کے جنگی دور کے قائم کئے ہوئے ہیں جب ملک کی حالت اطمینان بخش نہ تھی۔ ایسے محصولات کو جو حالت جنگ کے لئے رکھے گئے ہوں مستقل اور پائدار بنا دینا، گویا ملک کی ترقی کو ہر طرح فنا کر دینا ہے۔ مزید براں مغلوں نے ادائیگی مالگذاری میں کاشتکار کو اس کا حق دیا تھا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق نقد یا جنس جس میں چاہیں ادا کریں اور یہ آزادی ان کے لئے ایک طرح کا استحفاظ تھا۔ جو نرخ کے اُتار چڑھاؤ کے وقت کام دیا کرتا تھا۔ پھر وہ حکومت بھی ایک مرتبانہ طرز کی حکومت تھی جو وقت بے وقت معافی بھی دیا کرتی تھی اور کبھی

1. R. C. Dutt's India in the Victorian Age, P. 12.

ایسا نہ کرنے پر تباہ بھی ہو جاتی تھی مگر حکومت برطانیہ کا یہ دفتری نظام مشین کی سی صحت اور اسی قدر بے جگری کے ساتھ اس طرح چلتا ہے گویا اس کے پہلو میں نہ دل ہے نہ روح۔ مالگذاری کو بہ صورت غلہ ادا کرنے میں، چونکہ حکومت کا نقصان تھا اس لئے بغایت ہوشیاری یہ طریقہ اٹھا دیا گیا اور ادائیگی مالگذاری بصورت نقدی قائم کر دیا۔ یہ طریقہ کاشتکار کی دائمی مصیبت اور ہمیشہ قرض میں پڑے رہنے کا سبب ہو گئی ہے، کیونکہ اکثر غلہ کے سستے ہونے کے سبب سے زیادہ غلہ اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اس طریقہ ادائیگی مالگذاری نے کاشتکار کو دائمی قرضوں میں مبتلا کر دیا ہے۔ گذرانِ اوقات کی کوئی ایسی حد نہیں قائم کی گئی کہ جس سے نیچے مالگذاری معاف ہو جاتے اور اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ مالگذاری اس کی غربت کی کمائی کی بھی حصہ دار ہو جاتی ہے۔ مسٹر ریمزے میکڈونلڈ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اسے قبول کرتے ہیں کہ "افزائش مالگذاری اور وصولی کی سختی نے لوگوں کو بلا شک مفلوک الحال بنا دیا ہے اور وصولی مالگذاری کی اقتصادی طرح پر مکمل اور درست اصولوں کو ظلم و تعدی کا آلہ بنا کر کاشتکاروں پر سختی

1. J.R. MacDonald's The Government of India, P.141.

روا رکھی گئی جو اُن کی سخت مخالفت کا سبب ہو گیا ہے۔"

کاشتکاروں کے دائمی مقروض رہنے پر ڈبلیو۔ ایس لجنٹ لکھتا ہے کہ "کاشتکاروں کی ساری مصیبت اسطرح پیدا ہوتی ہے کہ مالگذاری کی ادائیگی کے لئے اس کو روپیہ کی حاجت ہوتی ہے۔" اور یہ موخرالذکر برائی بدترین برائی ہے جو نظام حکومت برطانیہ نے کاشتکاروں کے لئے پیدا کر دی ہے: ہم لوگوں نے عوام کو قتل و غارت گری کی مصیبت سے تو ضرور محفوظ کر دیا۔ مگر بھوک اور فلاکت کی مصیبت میں مر جانے کے اسباب زیادہ کر دیئے۔"

کواوپریٹیو (امداد باہمی) بنکوں کے ذریعہ سے کاشتکاری کی حالت سدھارنے کی جگہ بجگہ کوشش ہو رہی ہے لیکن اصلی حالت کی درستگی اس میں مضمر ہے کہ کاشتکار سے مالگذاری کا بوجھ کچھ ہلکا کیا جائے کہ جس کے بوجھ سے وہ دبا جا رہا ہے۔ پروفیسر رادھا کمل مکرجی کے تخمینہ کے مطابق ملک میں "پانچ آدمی اپنی خام آمدنی کا ۵% ۲/۱ (چالیسواں حصہ) ادا کرنے سے قاصر ہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ ۳ ایکڑ قابل زراعت زمین رکھنے والا کاشتکار

---

1. Radha Kamal's The Rural Economy of India, P. 204.

2. Mukerji's The Rural Economy of India, P. 204.

بغیر کسی خطرہ کے اپنے پُرانے قرضوں کا ۲۵ % (پچیس فی صدی) سود ادا کر سکے۔

محکمۂ آبکاری

غیر ملکی شراب کو محصول جنگی کی فہرست میں لے لینے کے بعد محکمۂ آبکاری کا تعلق محض دیسی شراب، اور تاڑی سے رہ جاتا ہے۔ ایک زمانہ سے ہندوستان تمام منشی اشیا سے یک گونہ مجتنب تھا مگر قربان جائیے موجودہ حکومت کی پالیسی کے جسے اپنی آمدنی کے بڑھانے کا خیال ہر وقت دامن گیر رہتا ہے اور بغیر انسانیت کا کچھ خیال کئے ہوئے، آمدنی کی افزائش کے جوش میں اس تجارت کی ترقی اور فروغ کا سبب ہو رہی ہے۔ معاشرتی اصلاح کے نقطۂ نگاہ سے باوجود مسلسل قومی اختلاف کے حکومت کے سامنے آمدنی کا سوال مقدم ہی رہا اور جہاں کہیں اخلاقاً مجبور ہو کر یہ جتانا بھی چاہا کہ وہ منشیات کی بکری کو کم کر رہی ہے، وہاں غایت ہوشیاری کے ساتھ ایسے گوشوں کو کھلا چھوڑ دیا جس سے غیر ملکی شراب کی بکری بڑھ گئی۔ بمبئی پریسیڈنسی کی انتظامی رپورٹ (۲۸-۱۹۲۷ء) کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر ملکی شراب[1] کی بکری بڑھ گئی ہے۔ اور بیر شراب (Bear) نے بڑے شہروں میں ملکی شراب کی جگہ لے لی ہے۔

1. Bombay Presidency Administration Report, Part I, P. XVIII.

غیر ملکی شراب کی بکری سے حکومت بمبئی کو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ آمدنی چنگی حکومت ہند کے حصے میں جاتی ہے۔ لاریب غیر ملکی تجارت کے مقابلہ میں بھی اس محکمہ کی وہ حفاظت و نگرانی روا نہیں رکھی جاتی جو ترقی آمدنی کے لحاظ سے اس کا جائز حق تھا اور جسے محض اسی خیال سے اخلاقی اور معاشرتی نقصان روا رکھ کر چلایا جا رہا ہے۔

محکمۂ جنگلات کے متعلق حکومت کی پالیسی عموماً لایق تعریف رہی ہے۔ پھر بھی غربا کے ساتھ غیر ضروری سختی برتی جاتی ہے۔ اور ان کی واجبی ضروریات سے بے رحمانہ بے اعتنائی کی جاتی ہے۔ بلنٹ لکھتا ہے کہ" اجرائے قوانین[1] میں لوگوں کے ساتھ ناروا سختی اور ناانصافی برتی جاتی ہے جس کے نتائج عموماً مصیبت خیز ہوتے ہیں۔" پھر بلنٹ ہی لکھتا ہے کہ" اکثر ان جنگلاتی قوانین کے نتائج ہلاکت خیز ہوگئے ہیں۔ کھاد بنانے کے لئے پتے اب جنگلوں میں جمع نہیں کئے جا سکتے۔ چراگاہ کے کم ہوجانے کے سبب سے مولیشی بھوک سے مرنے لگے۔"

" زمانہ نایادگار سے جہاں لوگوں کے لئے لکڑی مفت تھی وہاں اب ایک بوجھ لکڑی کی قیمت بھی ادا کرنی ہوتی ہے۔" یہ تکلیفیں خواہ

---

1. W.S. Blunt, India under Ripon, P. 241-242.

کیسے ہی مختصر کیوں نہ ہوں، مجموعی طور پر تھوڑی تھوڑی مشکلات
مل کر حسرت ناک حد تک وقیع اور باوزن ہو جاتی ہیں اور پیداوار
ملکی پر اپنے مضر اثرات ڈالے بغیر نہیں رہتیں۔
اخراجات ریلوے کی بحث میں ہم دکھا چکے ہیں کہ غیر مساوی
محصول نے تجارت وصنعت کی نشو ونما کو کس قدر نقصان پہنچایا ہے۔
یہاں مجھے اس قدر جانچنا ہے کہ آیا ریلوے نے عوام کی پیداوار دولت
کو فائدہ پہنچایا یا نہیں، جب تک (Transportation) ذرائع نقل و
حمل کی ترقی، معاشی مطالبات کے ماتحت ہوتی رہے گی، غربا کی
چلتی تجارت کو نقصان نہیں ہو سکتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت
امریکہ کی ریلوے کو وہاں کی موٹر لاریوں کے مقابلہ میں شکست
کھا جانے کا خطرہ ہو رہا ہے مگر ہندوستان میں جہاں کی چلتی تجارت
ہی اس قدر کافی نہ تھی جو اس وقت کے ذرائع نقل وحمل کو پوری
طرح مشغول رکھ سکتی، ریلوے چلا کر وہاں بیل گاڑیوں، اونٹ
گاڑیوں، اور دیگر ذرائع باربرداری کو برباد کر دیا گیا۔ اور اس کی
بربادی کی وجہ سے جو کڑوروں انسان بیکار ہو گئے جن کے وقت
اور محنت کی مشغولیت کے لئے کوئی دوسرا کام نہیں پیدا کیا
جا سکا۔ ہندوستان کی اقتصادی درستگی یہاں کی بہتر موسمی

حالت پر بہت کچھ منحصر ہے۔ موسمی بارش کے زمانہ میں یہاں کے کاشتکار زراعت میں مشغول رہتے تھے۔ اُس وقت وہ اپنے بیلوں کو جوتائی اور سینچنے کے کاموں میں مشغول رکھتے تھے اور برسات کے ختم ہوجانے پر وہ انہیں مویشیوں سے بیل گاڑی چلانے کا کام لیتے تھے اور اس طرح بھی اپنی روزی کمایا کرتے تھے مگر ریلوے کی اجراء و توسیع نے ہمارے کاشتکاروں سے اس پُرمنفعت پیشہ کو چھین لیا اور اب سال کے زیادہ مہینوں میں خود کاشتکار اور اُس کے مویشی محض بیکار رہا کرتے ہیں اور اپنے وقت اور محنت کے استعمال سے مزید روپیہ کمانے سے محروم رہتے ہیں اس سے یہ دکھانا ہرگز مقصود نہیں کہ ریلوے بذاتہ ایک برائی ہے جو ہر حال میں لوگوں کے معاشی نقصان ہی کا موجب ہوا کرتی ہے بلکہ خصوصیت کے ساتھ یہ دکھانا مقصود ہے کہ معاشی دباؤ کے بغیر اس کے اجراء سے جو بے روزگاری پیدا ہو گئی اُس کی جگہ کسی دوسری صنعت نے نہ لی۔ کاشتکار اور بھی دوسرے لوگ جن کا گذارہ قدیم ذرائع نقل و حمل پر تھا، اب اپنا وقت بیکاری میں گذارنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور کاشتکاروں میں پیدائش دولت کی کمی اور ان کے غریب تر ہو جانیکا یہ بھی ایک نمایاں سبب ہو گیا ہے۔

ریلوے کو تجارتی اصول پر اس کے منافع اور نقصان کا جائزہ لیتے ہوئے چلانا چاہیئے۔ ہرگاہ حکومت کو روپیہ ضرور درکار ہے مگر اُس سے پہلے اپنے لایعنی اور مسرفانہ اخراجات کو بند کرنا چاہیئے اور خصوصاً صیغہ ملازمین اور محکمۂ انتظامی میں ہر ممکن طریقہ سے اسراف کو روکنا چاہیئے۔ اس قدر احتیاط اور نگہبانی کے بعد اُسے اس کا حق ہے کہ وہ آمدنی کے ذرائع کو بھی اس طرح منتخب کرے جو لوگوں کی پیداوار دولت کے نقصان کا سبب نہ ہوں۔

ہندوستان کے اہم ترین شعبوں میں محکمہ نہر کا بھی شمار ہوتا ہے۔ محکمہ زرخیز زمینوں اور ساری آبادی کے لئے مزدوری و محنت کا سامان موجود رہنے پر بھی ہندوستان میں قحط کے امکانات کا احتمال موجود رہتا ہے۔ اگر اس عطیہ فطرت کو بے لگام چھوڑ دیا جائے اور ایسا انتظام نہ کیا جائے کہ سیرابی کا نظم وقت اور ضرورت کے لحاظ سے پورا ہو سکے تو ملک کی مجموعی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ موسمی بارش کم و بیش ہر سال پابندی سے ہوا کرتی ہے تب بھی ہر قطعہ زمین کے مالک کے لئے انفرادی طرح پر لائق اعتماد نہیں ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے زمانہ قدیم سے حاکمان ہند کا فرض اولین توسیع نہر رہا ہے اور وہ اس پر توجہ بھی کرتے آئے۔ شخصی

سخاوتیں، کوئیں اور تالاب کی تعمیر کا سبب ہوتی رہیں اور حکومتیں دریاؤں کے کنارے پشتے اور بند لگا کر نہر کے ذریعے سے زمینوں کو حیات بخشتی رہیں۔ برطانوی دور میں حکومت کی توجہ ریلوے لائینوں کی توسیع پر رہی مگر محکمہ نہر اس کی بے توجہی اور کم نگاہی پر شکوہ کناں رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب اس دور میں تقریباً نصف[1] آباد زمینوں کی سیرابی کا نظم شخصی توجہ اور کوششوں کا مرہون منت رہا ہے۔ از منہ قریبہ میں محکمہ نہر کے متعلق حکومت کی پولیسی کچھ قائم ہوتی ہوئی نظر آنے لگی تھی مگر اُسے بھی کاشتکاروں کی اشد ضرورت پر منحصر رکھنے کے بجائے اُس وقت تک کے لئے ملتوی کر دی گئی، جب تک کہ حکومت اس محکمہ پر کچھ صرف کرنے کے لایق نہ ہو جائے اور مستزاد یہ ہے کہ دوسرے اخراجات پر اُسے وہ ترجیح نہیں دی جاتی جس کا وہ واجبی طرح پر مستحق ہے

محکمہ ہذا کی تشریح سے جن امور کا انکشاف ہوتا ہے وہ سطور ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

---

1. K. T. Shah's Sixty years of Indian Finance, P. 294.

درون ہند	رقم لاکھ کی تعداد میں
کورپوریشن اور اسٹیٹ کو بصورت قرض	۲۲۷
ریلوے قرض اور مدامانتی	۴۲
تقاوی	۳۱
متفرقات بصورت قرض	۲۹
انگلستان کی رقوم	۳۲۷
	۶۵۶ لاکھ روپیہ

حکومت کی دیگر دستاویزات کی طرح اس جگہ بھی بہت سی ضروری معلومات کا پتہ لگانا مشکل اور دشوار ہے اور خصوصًا شرح سود کے متعلق صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا بہر حال تمامی روپیہ پر شرح سود کو مساوی تسلیم کرنے کے بعد یہ بات لایق غور ہے کہ ان روپیوں کا نصف حصہ انگلستان میں لگا ہوا ہے۔ حالانکہ ہندوستان کی تجارت سرمایہ کی کمی کی وجہ سے تباہ حال ہے اور ان رقوم سے جسے حکومت ہند بد قرض مخصوص کر لیتی ہے صرف پانچ فی صدی کی رقم بصورت تقاوی کاشتکاروں کو دی جاتی ہے۔ چند ماہ ہوئے ایک نامور انجنیر اور ماہر مالیات سر ایم وسوسیوار یا

1. Sir. M. Visvesvaraya, The country's immediate needs, Mysore Economic Journal Vol. XIV Sept. 1928, P. 419.

(Visvesvaraya) نے پونا کے نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ "ہمارے ملک کے نوجوان یورپ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد صنعت و حرفت کے اجرا کی کوشش کرتے ہیں اور اکثر و بیشتر افسوسناک ناکامیوں سے دو چار ہو جاتے ہیں جس کا سبب سرمایہ کی کمی اور حکومت کی عدم توجہی کے سوا کچھ نہیں۔ ملکی صنعت و حرفت کے نشو و نما میں حکومت کوئی دلچسپی نہیں لیتی اور نہ عوام کی آواز اس قدر موثر ہے جو اس پر کچھ اثر ڈال سکے۔

سر ہملٹن[1] نے اپنے خاص موثر انداز میں ہندوستان کی تصویر بدیں الفاظ کھینچی ہے" ہم لوگوں نے ملک کو ایسا ریلوے نظام عطا کیا ہے جو خام اجناس کے برآمد کا موجب ہو گیا ہے مگر کوئی ایسا نظم نہیں قائم کر سکے جو کاشتکاروں کے لین دین اور ان کی اشیا کی قیمتوں کے وصول ہونے میں سہولت پیدا کر دیتا۔ اس وقت حال یہ ہے کہ ساری دنیا ملک کے خام اجناس کو خریدے جاتی ہے۔ ساہوکار اور تاجروں کو روپیہ ہاتھ آتا ہے اور کاشتکاروں پر فقر و ناداری کے شیاطین کا سایہ ہو جاتا ہے

1. Sir. J. Hamilton's; India – Her Present and Future, Calcutta Revbd, July 1916, P. 295.

جبکہ حکومت کی نظریں فوائد ملکی کے علاوہ دیگر چیزوں پر لگی رہتی ہوں تو سوائے اس کے کہ ملک پر افلاس سایہ فگن رہے۔ اور کیا ممکن ہو سکتا ہے؟

فصل ششم

قرضجات عامہ

اشخاص اپنے آمد و خرچ کا توازن درست رکھنے کے لئے اُسی وقت قرض لینے پر مجبور ہوتے ہیں جب انھیں اپنی آمدنی کے بڑھانے کا موقع نہیں ہوتا۔ دراں حالیکہ حکومت کو ٹیکس لگانے کا حق محض اس لئے عطا ہوتا ہے کہ ملک کے واجبی اخراجات کے مطابق روپیہ آسانی سے وصول ہو جائے۔ اگر کوئی سال حکومت کو کسی غیر معمولی مصیبت سے دوچار ہونا پڑے مثلاً ملک جنگ میں مبتلا ہو جائے تو ایسی حالتوں میں وہ قرض بھی لے سکتی ہے۔
اور سوائے اُن ملکوں کے جن کا اعتبار اور ساکھ بالکل ہی نہ ضائع ہو چکا ہو۔ کسی شعبہ آمدنی یا اثاثہ ملکی کو رہن رکھنے کی حاجت نہیں ہوتی۔ کبھی ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ حکومتیں قرض لیتے وقت اپنے کسی اثاثہ کو اجارہ بھی کر دیتی ہیں۔

بہر حال ایک حکومت کی عقلمندی اس میں ہے کہ وسائل

آمدنی کی توسیع کے لئے اثاثہ پر برائے اخراجات اصل روپیہ حاصل کرے اور پھر اُسی ترقی شدہ شعبہ آمدنی سے اُسے رفتہ رفتہ وصول بھی کر دے۔ ایک دوسرا اور زیادہ بہتر طریقہ یہ بھی ہے کہ ملک کے سرمایہ بیکار کو جو کھوک سونے زیورات یا مخزونہ رقموں کی صورت میں لوگوں کے پاس پڑا ہو، کم شرح سود پر حاصل کیا جائے کہ تھوڑی مدت کے اندر ہی روپیہ کچھ منافع کے ساتھ لوگوں کو واپس ہو جائے۔ خواہ اخراجات اصل کے لئے ہوں یا غیر معمولی، جب بھی قرض لیا جائے اس کی اہمیت جتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ قرض بہرحال اُسی ملک کے فائدے کے لئے لینا چاہئے جو اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے۔ جب نمایندگان قومی ایسے قرضوں کو لیا کرتے ہیں تو اُسے "قومی قرضہ" کہا جاتا ہے۔ اور جب اسی بار کو کوئی غیر ذمہ دار حکومت اُٹھاتی ہے تو اُسے "قرضہ عامہ" یا "قرضہ حکومت" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

صدی دو صدی پہلے "قرضہ عامہ" کی نوعیت کا قرض کسی ملک میں بھی رائج نہ تھا۔ نہ لوگ اسے جانتے تھے۔ مشکلات کے وقت سلاطین و حکام اپنے چھپے ہوئے خزانوں کو صرف میں لایا

کرتے تھے۔ یہ فن مالیات جدید کی ترقی اور اثر آفرینیاں ہیں، جو تجارتی اور ملکی معاملات میں قرضوں کے بے حساب افزونی کا سبب بن گئی ہیں۔

ہندوستان میں برطانوی حکومت کے قیام سے پہلے "قرضہ عامہ" کا کہیں وجود نہ تھا۔ کوئی والیٔ ملک اگر کبھی قرض لیتا بھی تو وہ اس کا ذاتی فعل متصور ہوتا اور رعایا کو اس سے کوئی سروکار نہ ہوتا تھا۔ لارڈ کلایو کے زمانہ میں جب ہندوستان کا ایک خطہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر حکومت آگیا تو اس وقت بھی سوائے چند انتظامی اختیارات کے کمپنی محض ایک تجارتی حیثیت رکھتی تھی اور اس کا سارا کام حصول منافع کے نقطۂ نگاہ پر چل رہا تھا۔ پس یہی وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کی دولت یعنی اس کے زر اصل کا سیلاب رواں ہندوستان سے انگلستان کی طرف بہنا شروع ہو گیا۔ ملک کو قرضے کی ضرورت اُس وقت بدیں وجہ نہ ہوئی کہ اُس دور جاگیرداری میں کمپنی کو لوٹ اور غارت گری سے اس قدر روپیہ وصول ہو جاتا تھا جو اس وقت کے ملکی انتظامات کے لئے کفائت کر جاتے تھے۔

تاریخ کا یہ دور انگلستان کے مالی دور ابتری کی شہادت

دیتا ہے۔ بقول بروک ادم سنہ ۱۷۵۰ء[1] کے زمانہ میں انگلستان
کی صنعت آہنی رو بہ انحطاط تھی۔ جنگل کٹ چکے تھے۔ ۳/۴ لوہا سویڈن
سے لایا جاتا تھا۔ سنہ ۱۷۶۰ء سے پہلے سوت کاتنے کی مشین جو لنکاشایر
میں مستعمل تھی وہ اپنی سادگی میں ہندوستان میں ہندوستانی
چرخہ سے مشابہ تھی، غرض اُس وقت موجد بہت تھے مگر وہ
سرمایہ جو ہر ایجاد کو رائج و چالو کر دیا کرتا ہے ملک میں موجود نہ تھا
یہ سچ ہے کہ انسان کا دل سوچ سکتا ہے اور دماغ ایجاد بھی
کر سکتا ہے مگر جب تک خیالات کو صورت عمل میں لانے کے لئے
ہاتھ سے مدد نہ لی جائے، ساری کاوشیں بیکار و عبث ہوں گی
اسی طرح وہ سرمایہ جس نے انگلستان کی ایجادات کو فروغ دیا
جنگ پلاسی کے بعد ہی سے وہاں پہنچنا شروع ہو گیا۔ جنگ پلاسی
کے بعد کی حالت میکالے اس طرح لکھتا ہے کہ "دولت کی وہ موسلا
دھار بارش جو کمپنی اور اس کے ملازمین پر برسی اس کا کچھ حد و حساب
نہ تھا جنگ کے بعد آٹھ لاکھ پونڈ زر نقد مرشد آباد سے کلکتہ روانہ
کیا گیا اور وہ کلکتہ جس پر کبھی فلاکت و ویرانگی برستی تھی، اب اپنی
آبادی اور چہل پہل میں حیرت انگیز ترقی کر رہا تھا۔ ملازمین کمپنی کے

1. Adam's Law of Civilization and Decay, P. 313.

گھروں پر فراوانیٔ دولت کے آثار ہویدا تھے۔ رہا خود لارڈ کلایو تو حقیقت یہ ہے کہ اس کی طبع معتدل کے سوا اس کے فراوانی دولت کا اندازہ ممکن نہیں۔[1] اس "بانی سلطنت" کلایو نے ہندوستان کو لوٹنے اور انگلستان کو سرمایہ فراہم کرنے کا خوب ہی استحقاق حاصل کر لیا تھا۔ اب انگلستان کو کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ صنعت و ایجادات میں حیرت انگیز ترقی شروع ہو گئی۔ جنگ پلاسی کے صرف تین سال بعد کپڑے بننے میں کیٹ کل (Flying shuttle) کا استعمال شروع ہو گیا۔ چوتھے ہی سال پھر ہرگریوز (Hargreaves) کا جدید کرگھہ جاری ہو گیا۔ ۱۷۶۸ء میں مسٹر واٹس (Watts) نے انجن ایجاد کیا۔ ۱۷۷۹ء میں کرومٹن (Cromton) نے ایک نئی سوت کاتنے کی مشین ایجاد کی اور آخر کار ۱۷۸۵ء میں کپڑا بننے کی مشین بھی مکمل اور پیٹنٹ ہو گئی۔ یہ ہے انگلستان کے تجارتی انقلاب کی سرگزشت جس کے ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کا اقتصادی دور انحطاط بھی شروع ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کے براہ راست اور بالواسطہ لوٹ و غارتگری سے جو سرمایہ فراہم ہوتا رہا وہی انگلستان کے ایجادات و مخترعات کے ترقی اور توسیع کا موجب ہو گیا۔

---

1. Essay on Lord Clive, Vol. III, P. 240.

اس رہتی[1] دنیا کے قیام سے اس وقت تک شاید ہی کسی سرمایہ نے اس قدر منافع دیا ہو، جس قدر کہ ہندوستان کے لوٹ اور غارتگری سے انگلستان کو حاصل ہوا کیونکہ اس کے بعد کامل پچاس سال تک کوئی بھی اس کا مقابلہ نہ کرسکا۔" برگ کا بیان ہے کہ سنہ ۱۷۵۰ء میں سارے انگلستان میں ۱۲ عدد مہاجنوں کی کوٹھیاں بھی نہ تھیں مگر حالات اس قدر متغیر ہوئے کہ سنہ ۱۷۹۰ء میں وہاں کے ہر بڑے کوچہ و بازار میں بنک قائم ہو گئے تھے اور لین دین کا بازار گرم تھا۔[2] گویا بنگال کی چاندی نے نہ صرف زر کی مقدار کو بڑھایا بلکہ رفتار تجارت میں بھی غیر معمولی سرعت پیدا کردی اور آخر ہم کیا دیکھتے ہیں کہ "سنہ ۱۷۵۹ء میں بنک نے ۱۰ اور ۱۵ پونڈ کے نوٹ جاری کئے اور ملک کے تجارتی کوٹھیوں سے یہ سیلاب خوب بہایا گیا۔ پلاسی اور واٹرلو کے درمیانی زمانہ میں تقریباً ۱۰۰۰ ملین پونڈ (یعنی ایک ارب پونڈ) ہندوستان سے انگلستان کے بنکوں میں منتقل ہوگیا اور حقیقت میں اس زرکثیر کی صحیح مقدار اور زیادتی کا اندازہ کرنا ہی دشوار ہوجاتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس وقت کے روپیہ

---

1. Adams Law of Civilization and Decay, P. 317.

2. William Digby's Prosperous India, P. 33.

کی طاقت خریداری بہت ہی بڑھی ہوئی تھی۔ اس امر کا مطالعہ بھی خالی از دلچسپی نہیں کہ ۱۸۱۵ء میں حکومت انگلستان کا "قومی قرضہ" ۸۶۱ میلین پاؤنڈ (چھیاسی کروڑ دس لاکھ پاؤنڈ) تھا۔ جو ہندوستان کے پچاس سالہ لوٹ کی مقدار سے بدرجہا کم ہے۔

مذکورہ بالا حالات کے ماتحت جب تاج برطانیہ کا نمائندہ (ایسٹ انڈیا کمپنی) اس قدر زر کثیر بلا تکلف انگلستان روانہ کرتا رہا ہو تو خود ہندوستان میں قرضہ عامہ کے پیدا ہونے کا سوال کیونکر اٹھ سکتا تھا۔ "بانیانِ سلطنت" کے ان بے غیرتی کی لوٹ کے علاوہ جو جاری تھیں کچھ صریح اور بالواسطہ صورتیں بھی ایجاد کی گئیں جس کو ذکر ایک خوشنما پوشیدگی کے ساتھ ہندوستان کا روپیہ انگلستان منتقل ہوتا رہا۔ زیر حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کو جو محاصل وصول ہوتے تھے، بجائے محصول دہندوں کے مفاد پر خرچ کرنے کے اس سے مال تجارت خرید کر انگلستان روانہ کیا جاتا تھا۔ اور اس طرح غریب ہندوستانی اپنے ثمرات محنت کے فوائد سے محروم ہوجایا کرتے تھے۔ محصولات آمدنی کی وہ کثیر رقم جو ۱۷۹۳ء سے ۱۸۱۲ء تک یعنی کامل ۱۹ برس اسی طرح کمپنی کے تجارتی کاروبار میں صرف ہوتی رہی۔ اس کا تخمینہ ۱۳ میلین پاؤنڈ

(ایک کروڑ تیس لاکھ پاؤنڈ) کیا گیا۔

آخر انگلستان نے اس علانیہ لوٹ کا ایماندارانہ طریقہ چھوڑا اور خام اجناس کا انتقال بھی اُسے دشوار معلوم ہوا تو پھر اُن کے ماہرین اقتصادیات نے روپیہ کی وصولی کا اور ہی کارگر طریقہ ایجاد کیا یعنی انگلستان نے اپنے سیاسی اور استعاری جنگوں کے اخراجات کو ہندوستان کے سر دے مارا اور اس کے نام پر بصورت قرض ڈال کر لگے ہندوستان سے وصول کرنے۔ غرض پیداوار دولت کا جو بہاؤ انگلستان کی طرف جاری تھا وہ بدستور قائم رہا اور ہندوستان اپنے ثمرات محنت سے محروم ہوتا ہی رہا۔ غرض ہندوستان کی بچت آمدنی کو ہمیشہ وصولی قرضہ میں دکھا کر انگلستان پہنچا دیا جاتا رہا اور ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ "قرضہ عامہ" کی کثیر رقم اسی طرح کی غیر منصفانہ اور لایعنی اندراجات سے پُر ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی نہ کوئی قومی حکومت ہے اور نہ اس کا کوئی "قرضہ قومی" ہے۔ ۳۱ مارچ ۱۹۲۶ء تک کا حساب جو حکومت ہند نے شائع کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرضہ حکومت کی مقدار ایک ہزار کروڑ سے (یعنی دس ارب) زیادہ ہے۔ حکومت نے اس کی تفصیل بھی اس طرح دکھائی ہے۔

قرض جو ہندوستان میں وصول ہوا

قرض:- ۲۹، ۶۹ ۳ .... کروڑ

سرکاری ہنڈیوں کی بکری سے ... ۴۹، ۶۵ ،،

۴۹، ۷۱ ۴ ،،

زر امانتی سیونگ بنک ڈاکخانہ .... ۹۴، ۵۵

د قرض جو ہندوستان کے لئے انگلستان میں فراہم ہوا۔

بشرح ۴/۱ فی روپیہ ۲۹، ۱۳ ۵ ،،

میزان ۰۸، ۱۰۲۵ کروڑ روپیہ

ہنڈیوں اور سنہ رواں کے مطالبات سے قطع نظر کرنے کے بعد حکومت نے قرضوں کی تقسیم دو طرح پر کر دی ہے۔

پیدا آور:- ۱۸، ۷۳۷

نا پیدا آور:- ۸۸، ۲۲۱

میزان ۰۶، ۹۵۹ کروڑ روپیہ

پھر اس کی بھی مزید توضیح و تشریح دکھائی گئی ہے اور پیدا آور مد کی مزید تفصیل اس طرح کی گئی ہے:-

محکمہ ریل ۰۶، ۶۲۶

محکمہ	نہر	۹۶ ، ۰۴
؍؍	تار و ڈاک	۱۳ ، ۰۰
؍؍	جنگل و نمک	۲ ، ۰۸
؍؍		۱۸ ، ۳۷ ،

بہرحال مذکورہ بالا اعداد و شمار سے اگرچہ بھی ظاہر ہوتا ہے تو اسی قدر کہ حکومت اپنی آمدنی سے تقریبًا دس ارب (ایکہزار کروڑ روپیہ) زیادہ خرچ کر چکی ہے۔ اس کے بعد جس قدر بھی حسابات میں توضیح اور تفصیل دکھائی گئی ہے وہ محض ناقابل اعتبار اور وضعی ہیں۔ نہ کوئی قرض ہندوستان کی آمدنی کو ترقی دینے کے لئے لیا گیا اور نہ اخراجات کے حساب کی جانچ سے اس کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ حکومت نے مدات کی جس قدر تقسیم اور اس کے مقابل رقم کی مقدار دکھائی ہے وہ سب محض خیالی اور وضعی ہیں حتیٰ کہ پیدا آور اور ناپیدا آور مدات کی رقمیں بھی گھٹتی بڑھتی رہی ہیں اور وہ اس طرح کہ اکثر و بیشتر ملک کی بچت آمدنی کو ناپیدا آور اور قرض کی ادائیگی میں دکھا کر غائب کر دیا گیا ہے۔ اور اصل ملک پہ ان وضعی تقسیموں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ قرضے ملک کی فلاح اور بہبودی میں صرف کئے گئے ہیں۔

مگران فرضی حسابات کا پردہ چاک کرنے کے بعد یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ یہ سارے قرضے حکومت کے مصرفانہ اخراجات کا آئینہ ہیں اور ہر گھاٹے اور خسارہ کو قرض سے پورا کیا جا رہا ہے۔ بہر حال ان حقائق کے آشکارا ہو جانے کے بعد تحقیقات دائرہ اسی حد تک محدود ہو جاتا ہے کہ حکومت کے کون کون سے مصرفانہ اخراجات نے ملک کو مقروض بنا دیا اور جیسا کہ صفحات ماقبل میں بتایا جا چکا ہے، ان اخراجات کی نوعیت اگر کچھ بھی ہو سکتی ہے تو صرف دو ہی ہو سکتی ہیں:۔

۱ اخراجات اصلی ۲ اخراجات غیر معمولی

اگر اخراجات اصلی یا غیر معمولی ملک اور اہل ملک کے فائدے کئے گئے ہوتے تو اس کا بار یقینی اہل ملک کو برداشت کرنا چاہئے تھا ورنہ پھر ان اخراجات کا مسترد کرنا ہی مقتضائے انصاف ہے۔ ایسے مصرفانہ اور مسترد شدہ اخراجات کا اگر میزان لگایا جائے تو اس کی مقدار بھی موجودہ حکومت ہند کے "قرضہ عامہ" کے برابر یا اُس سے کچھ ہی کم یا زیادہ ہو جاتی ہے۔ لاریب ملک کی آمدنی اس قدر کافی تھی کہ معمولی یا غیر معمولی اخراجات کی کفالت کر سکتی تھی مگر جب اخراجات کا مقصد ہی کچھ اور ہو تو جتنی بھی آمدنی ہوگی

ناکافی ہی ہو گی۔ ملک کی آمدنی کو حکومت ہند نے بے دریغ صرف کیا اور ملک کو بلا ضرورت مقروض بنایا۔ پھر بجٹ آمدنی کو نا پیدا آور مد کے قرضوں کی وصولی میں دکھایا گیا۔ اگر اس طرح کے ناجائز اخراجات کو مسترد کرنے کے بعد حساب لگایا جائے تو اس کی مقدار بھی دس ارب روپیہ سے کسی طرح کم نہ ہو گی۔ بہرحال انصاف یہی چاہتا ہے کہ وہ تمامی رقوم جن کا ہندوستان کے مفاد سے کچھ بھی تعلق نہ ہو وہ اُس قوم اور ملک کے ذمہ ڈال دی جائے جو اُس سے صحیح طرح پر مستفید ہوتی رہی۔

آخری کراچی کانگریس نے ایسٹ انڈیا کمپنی اور حکومت ہند کے مالی لین دین اور قرضہ عامہ کی تحقیقات کے لئے ایک منتخبہ کمیٹی مقرر کی کہ صحیح طرح پر یہ معلوم کرے کہ کس قدر رقوم ہندوستان کے مفاد پر صرف ہوئیں اور قرضوں کی کس قدر رقوم غلط خرچ اور غلط اندراج کے سبب خود انگلستان کے ذمہ ڈالنی چاہئیے" اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں مندرجہ ذیل اخراجات کو قابل اعتراض ٹھہرا کر مسترد کر دیا ہے۔ کیونکہ اس کے خیال میں ان کاموں سے ہندوستان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔

اخراجات کی نوعیت — رقوم کروڑوں کے حساب میں

۱۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی غیر ملکی جنگ جو ۱۸۵۷ء سے پہلے ہوئیں ۳۵

۲۔ کمپنی کے سرمایہ پر سود ۱۳۰،۱۵ .... ۱۲۰،۵۰

۳۔ غدر ہند کے اخراجات ۱۸۵۷ء ... ۴۰،۰۰

۴۔ کمپنی کے سرمایہ پر سود ۱۸۷۴ء ۱۰،۰۸۰

۵۔ کمپنی کے حصص کی قیمت جو ... ۱۲،۰۰

ہندوستان کے خزانہ سے ادا کی گئی ۲۲،۰۸۰

۶۔ غیر ملکی جنگوں کے اخراجات

۱۸۵۸ء لغایت ۱۹۰۰ء ۳۷،۵۰۰

۷۔ عطیہ جنگ جو جنگ عظیم کے موقع پر ... ۱۸۹،۰۰

۱۹۱۴ء لغایت ۱۹۲۰ء ہندوستان

سے وصول ہوا۔ ۱۷۰،۷۰۰ .... ۳۹۷،۲۰۰

۸۔ ۱۸۵۸ء سے ۱۹۲۱ء تک جتنی رقم ... ۲۰،۰۰۰

برہما پر صرف ہوئے۔

۹۔ کونسل بل کی بکری کے نقصانات

۱۹۱۶ء لغایت ۱۹۲۱ء ... ۳۵،۰۰۰

۱۰ ریلوے کے خریداری کی رقوم
۱۹۱۶ء لغایت ۱۹۲۱ء ۵۰،۰۰۰
۱۱ جنگی مصلحتوں کی بنا پر ریلوے
کی تعمیرات کا خرچ ۳۳،۱۰۰
۲۹،۴۰۰ ....
کروڑ روپیہ

مندرجہ بالا لایق مسترد شدہ کتاب میں فوجی اخراجات کی وہ رقوم مندرج نہیں ہیں جسے بھی کمیٹی نے ایک ممبر کی رائے میں مسترد ہونا چاہیئے۔ ممبر مذکور نے ایک علٰحدہ نوٹ میں یہ دکھایا ہے تقریباً ۱۲،۰۴ ۵ کروڑ روپیہ فوجی اخراجات کے حساب میں انگلستان، ہندوستان کو ادا کرے۔ یہ مطالبہ بھی ہندوستان کی مجموعی فوجی اخراجات کا بقدر چوتھائی ہے۔ اور اس رُو کر بہت ہی اعتدال اور نرمی پر منحصر ہے حالانکہ خود مسٹر ریمزے میکڈونلڈ کا خیال ہے کہ چونکہ ہندوستان کی نصف فوج ہمیشہ شاہی مقاصد کے پورا کرنے میں مصروف رہتی ہے۔ اس لئے کم از کم نصف فوجی خرچ انگلستان کو برداشت کرنا چاہیئے۔

ان ناروا اخراجات کے سبب جو قرض ہندوستان پر ڈالا گیا اس کا سود بھی ہندوستانی محصول دہندہ کو ادا کرنا ہوتا ہے۔

رپورٹ نے اس کی واپسی کا سوال نہیں اُٹھایا ہے مگر ایک ممبر نے اپنے نوٹ میں یہ دکھایا ہے کہ قرضہ عامہ کے دس سو پچاس کروڑ روپیہ میں ۵۳۶٫۰۲ کروڑ کی رقم وضع کردینی چاہئے جو بصورت سود وقتاً فوقتاً ادا ہوتا رہا ہے۔ بنابریں ان رقومات کی تفصیل جو ناروا اور لایق مسترد ہونے کے باعث ہندوستان کو واپس ملنی چاہیے' یہ ہوتی ہے :-

۱۔ وہ رقوم جن سے ہندوستان کو کوئی فائدہ نہ پہنچا اور جن کی تفصیل صفحات ماقبل میں درج ہے	۲۹٫۴
۲۔ فوجی اخراجات کا وہ حصہ جسے انگلستان کو بھی ادا کرنا چاہئے۔ مطابق تفصیل ماقبل۔	۵۴۰٫۱۳
۳۔ سود کے وہ رقوم جو بوجہ ہندوستان نے ادا کئے۔	۵۳۶٫۰۲
	۱۸۰۵٫۵۵ کروڑ روپیہ

لاریب یہ مبلغ ½ ۱۸۰۵ کروڑ روپیہ کا بار جو ناحق ہندوستان کے مفلوک الحال محصول دہندوں پر ڈال دیا گیا ہے۔ اُسے فی الحقیقت انگلستان کو برداشت کرنا چاہیئے۔ یہ سارے اخراجات انگلستان کے استعاری جنگوں اور اس کے شاہی پولیسی برقرار رکھنے

کے لیے اُٹھائے گئے یہاں تفصیلی بحث کی کوئی گنجائش نہیں۔

مزید معلومات کے لئے ناظرین کانگریس کی رپورٹ متعلق قرضہ جات کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ یہاں مختصراً ہمیں اس قدر دکھانا ہے کہ ان ناروا قرضوں کے سبب ہم لوگوں کو تقریباً ۵۰ کروڑ روپیہ سالانہ محض سود ادا کرنا پڑ رہا ہے۔

ہندوستان کی اس مسلسل مصیبت کو ایک واضح مثال دیکر مسٹر ریمزے میکڈونلڈ یہ لکھتا ہے کہ "ہندوستان کروڑوں کی چیزیں اپنے ملک سے باہر اس لئے نہیں روانہ کرتا کہ اپنی ضروریات کی اسی قدر ہم قیمت اشیا اپنے ملک میں منگوائے بلکہ یہ چیزیں باہر اس لئے چلی جاتی ہیں کہ اُسے اپنا قرض اور سالانہ سود ادا کرنا پڑتا ہے"۔[1] جون اسٹورٹ مل کہتا ہے کہ "وہ ملک جو ہر سال اپنی دولت کا ایک حصہ دوسرے ملک میں بھیج دیا کرتا ہو۔ اپنی رقوم کھونے کے علاوہ کچھ اور بھی نقصان اُٹھاتا ہے یعنی اسے اپنی اشیا بھی کچھ گھاٹے سے دیدینا ہوتا ہے"۔ پھر اس ملک کی زبوں حالی کا پوچھنا ہی کیا جس کی مالیات، کرنسی، اور شرح تبادلہ کے قائم کرنے کا حق سب کچھ اس کے مہاجن کے ہاتھ ہو۔ ہندوستان

1. J. R. Mac Donald's The Government of India, P. 149.

کی شومیٔ قسمت سے برطانوی قبضہ کے بعد سے ہندوستان کا یہی حال رہا۔ اور جس قدر رقمیں ہندوستان سے وصول ہوئیں اس کا کوئی مفید اور مناسب بدل اس کو نہیں ملا۔ ان جھوٹی اقتصادی زنجیروں سے اس کی آزادی کو بعید اور موہوم بنا دیا گیا ہے۔

بہرحال اگر ہندوستان کو اپنی کھوئی اقتصادی طاقت حاصل کرنا ہے اور دنیا کی تجارت میں برابر کا حصہ دار ہوتا ہے، تو اُسے ان ہلاکت آمیز زنجیروں کو توڑنا ہوگا۔ اور اپنے تمامی اقتصادی نقصان کا معاوضہ بھی وصول کرنا ہوگا۔

وہ فوجی اخراجات جس کا بار ہندوستان کو اُٹھانا پڑ رہا ہے اس کے متعلق مسٹر ریمزے میکڈونلڈ تحریر کرتا ہے کہ "بلاشک[1] اس بارہ میں ہندوستان کے ساتھ صریح ناانصافی روا رکھی گئی ہے اور اُسے ایسے جنگی اخراجات کے برداشت کرنے پر مجبور کیا گیا ہے جو محض برطانوی شاہی مقاصد کے لئے لڑی گئیں۔

"جب[2] ہمیں اپنی افواج کسی ضرورت سے مملکت برطانیہ کے مختلف نوآبادیات میں رکھنا پڑتا ہے تو اس کا خرچ وہ مقامی

---

1. J. R. MacDonald's Government of India, P.154.

2. Ibid, P.155.

حکومتیں برداشت نہیں کرتیں۔ بلکہ تمامی اخراجات کا بار خزانہ برطانیہ پر رہتا ہے۔ مگر جب یہی فوجیں ہندوستان میں رکھی جاتی ہیں تو یہاں ہمارا آہنی ہاتھ اخراجات آسانی سے وصول کرلیتا ہے۔ کمپنی اپنے دورِ حکومت میں افواج انگلستان سے "عاریتاً" منگواتی اور نہ صرف اس کے قیام کے اخراجات بلکہ اس کے آمدورفت کا خرچ بھی ادا کرتی تھی۔ کمپنی کی حکومت کے بعد تاج برطانیہ نے بھی اسی طریقہ کو جاری رکھا۔ کیونکہ یہ ایسا چلتا افسوں تھا جس سے اپنا مقصد پورا ہونے کے ساتھ ساتھ خزانہ برطانیہ کو مفت کی رقم بھی ہاتھ لگ جاتی تھی۔ ایک کمیشن ۱۹۰۰ء میں مقرر ہوا تھا جس نے ان ناانصافیوں پر توجہ دلائی اور اس کے سفارشات کی وجہ سے صرف اس قدر ہوا کہ برطانوی افواج کی آمدورفت کا نصف خرچ مبلغ ایک لاکھ تیس ہزار پاؤنڈ (۱۳۰،۰۰۰) اور عدن کے فوجی اخراجات کا مبلغ ایک لاکھ پاؤنڈ (۱۰۰،۰۰۰) انگلستان نے دینا منظور کرلیا۔ اس کے تمامی سفارشات کا بس اسی قدر نتیجہ نکلا ورنہ انگلستان کی استعماریت کا شاہی بار جس طرح ہندوستان اٹھائے تھا اٹھاتے رہا۔ ہمارے حکمرانوں کے طریقے بھی عجیب دلکش ہوتے ہیں۔ پہلے تو ہندوستان کو ایک الگ آزاد حکومت کا

روپ پہنایا۔ پھر خود ہی اپنی افواج "عارتیًا" عنایت کرتے رہے اور خود ہی اخراجات بھی وصول کرتے رہے حالانکہ حقیقت میں ہندوستان کے حکمراں بھی وہی تھے اور اس کے سارے جنگی اور سیاسی پولیسی بھی انھیں کے ہاتھ میں تھی۔ پھر اس ہیر پھیر کے ساتھ اخراجات کے وصول کرنے کا مقصد سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک خوبصورت مگر ظاہرا پوشیدہ طریقہ سے روپیہ وصول ہوتا رہے" پھر بیرونی سیاست پر مسٹر میکڈونلڈ اس طرح اپنے خیالات ظاہر کرتے ہیں کہ " ہندوستان کے ناروا اخراجات کے سدباب کے لئے ۱۹۰۰ء کے مالی کمیشن نے جس قدر سفارشیں کیں اس پر کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ ابیسینیا مہم روانہ کی گئی، سرحد کی جنگ ہوئی، ملک ہی میں بہت جنگ آزمائیاں ہوئیں جو برہما اور دیگر صوبوں کے الحاق کا سبب ہوئیں۔ اور ان ساری نبرد آزمائیوں کے اخراجات ہندوستانی محصول دہندوں کو اٹھانے پڑے افغانستان کی جنگ میں چودہ کروڑ دس لاکھ (۲۱۰۰۰۰۰۰ء) روپیہ کا خرچ ہوا، اس میں صرف پچاس لاکھ روپیہ (۵۰۰۰۰۰۰) انگلستان سے وصول ہو سکا۔ بہرحال جب یہ تمامی لڑائیاں برطانوی شاہی مقاصد کے لئے لڑی گئیں تو پھر ان صرفوں کو ہندوستان کے سر

ڈالنا کہاں کا انصاف ہے۔ مسٹر گوکھیل انھیں حالات کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:۔ انگلستان نے اپنے شاہی مقاصد کے لئے ہندوستانی افواج کو چین، ایران، ابیسینا اور دیگر جنگی مہموں پر بھیجا اور اس کا سارا خرچ ہندوستان کو برداشت کرنا پڑا۔ الا یہ کہ کبھی کسی غیر معمولی موقع پر کچھ صرف کر دیا ہو۔ مگر جب ہندوستان کے کسی مفروضہ ضرورت پر انگلستان سے افواج "عارِیتاً" روانہ کی گئیں تو نہ صرف آمد و رفت کا خرچہ بلکہ اُس کی بہتری کے اخراجات بھی ہندوستان کو ادا کرنے پڑے۔ جب ۱۸۴۳ء میں سندھ پر فوج کشی ہوئی اور ۱۸۴۹ء میں پنجاب پر حملہ کیا گیا۔ یا پھر غدرِ ہند کی مہم ۱۸۵۷ء میں سر کی گئی تو ان تمامی موقعوں پر برطانوی افواج کا سارا خرچ وصول کیا گیا۔ کمیشن مذکور نے بہت سی ایسی ناانصافیوں پر توجہ کی تھی مگر بغیر اس طاقت کے جو صرف حکومت خود اختیاری ہی سے حاصل ہوسکتی ہے، ان ناانصافیوں کا کوئی سدباب نہیں ہوسکتا۔" محکمۂ دیوانی یا انتظامی میں بھی متعدد اخراجات اس قدر قابلِ اعتراض ہیں کہ اُسے محض صرفہ کے تناسب سے جانچنا نہیں چاہئے۔ وزیرِ ہند کے دفتر کے اخراجات ہندوستان سے وصول کئے جاتے ہیں۔ مگر دفتر نوآبادیات کے اخراجات انگلستان ہی برداشت

کرتا ہے۔ وزیر ہند کے دورے اور شاہی دوروں کا خرچ ہمیشہ ہندوستان ہی پر ڈالا گیا۔ اور میزانیہ حکومت ہند میں تو اب یہ رقم چالیس لاکھ پاؤنڈ تک پہنچ چکی ہے۔ میزانیہ ہند میں ان اخراجات کا قائم رہنا ہم لوگوں کے لئے بے انتہا پست اور ذلت آگیں ہے"

"اخراجات ہند کا ایک اور مسئلہ اپنی نقصان رسانیوں کے باعث ہماری سخت توجہ کا مستحق ہے۔ اور وہ مسئلہ تبادلہ ہے۔ ایک زمانہ سے سونے کی قیمت سے روپیہ کا لین دین ہوا کرتا تھا اس وقت ایک روپیہ ۲ شلنگ کے برابر تھا۔ ۱۸۷۳ء سے روپیہ کی قیمت گرنا شروع ہوگئی۔ پہلے ½۲ پنس گری مگر یہ انحطاط جاری رہا۔ روپیہ کی قیمت جس قدر گرتی گئی، قدرتاً اسی قدر ملکی قرضوں میں اضافہ ہوتا گیا، یہانتک کہ ۱۸۹۵ء میں روپیہ کی قیمت اشلنگ ا پنس ہوکر رہ گئی۔ ہندوستان کے ٹکسال کو بند ہوجانا پڑا اب انگلستان کے ماہرین مالیات نے ایک دوسری اقتصادی پولیسی کی بنا ڈالی۔ روپیہ میں چاندی کی اصلی مقدار کم کردی گئی اور شلنگ سے بھی اس کے تبادلہ کی قیمت ۴-۱ معین ہوگئی۔ اب یورپین افسروں کو تبادلہ کی کمی کے سبب کچھ گھاٹا ہوا تو "نقصانات تبادلہ" کے نام سے ان کی گھٹی پوری کردی گئی۔ ۱۹۱۲ء میں جب

روپیہ کے تبادلہ کی قیمت معین ہو گئی۔ تو اس نقصان کے مطابق جو تبادلہ کے کمی کے باعث پہنچا ہر انگریز ملازم کا مشاہرہ مستقل طور پر بڑھا دیا گیا۔ اس طرح غریب ہندوستانیوں کا روپیہ بے دریغ صرف ہوتا گیا۔ جب تبادلہ کی قیمت انگلستان نے اپنے شاہی مقاصد پر نظر رکھتے ہوئے خود مقرر کی تو انگریزی افسروں کے تبادلہ کے نقصانات انگریزی خزانہ سے ادا ہونا چاہیئے تھا۔

"حقیقت میں یہ مسئلہ اور بھی وسیع تر ہے۔ جس وقت کہ ہندوستانی سکہ گر رہا تھا تو اس وقت ان تمام ملکوں کا توازن بگڑا ہوا تھا۔ جہاں چاندی کے سکہ کا چلن ہے۔ مگر برطانوی روپیہ ہندوستانی اقتصادی خرابی کی ذمہ دار ہوئی۔ اور ہندوستانی قرضوں کے ادا کاری کے مسئلہ نے ہمارے مشکلات کو اور بڑھا دیا۔"

"تبادلہ کا مسئلہ ایک پیچیدہ اور مشکل مسئلہ ہے اور علمی حیثیت رکھتا ہے مگر جب ہمارا ملک ان ساری خرابیوں کا ذمہ دار نہیں ہے۔ تو اُسے ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا کہ ہندوستان کو تبادلے کے سارے نقصانات کے پورا کرنے پر مجبور کرتا۔ اور کم از کم ان رقوم میں تو اس کا لحاظ کیا جاتا جو لندن کی حکومت کو ادا ہوتی تھیں اور انگریز ملازمین کے مشاہرہ میں وصول کی جاتی تھیں۔"

اکثر کا یہ خیال ہے کہ چونکہ ۱۸۰۰ کروڑ (اٹھارہ ارب) میں سے بہت سی رقمیں وصول ہو چکیں ہیں اس لئے اب ان قصے کو از سرِ نو اٹھانا بیکار ہے۔ جو کچھ وصول ہو چکا ہے اُسے اب نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ مگر یہ استدلال حقیقت سے روگردانی کرنے کے مرادف ہے۔ کیا ایک مہاجن کسی کے نام پر بطور خود قرض کی ایک مقدار مثلاً اٹھارہ سو روپیہ لکھ لے، پھر کچھ سود بھی وصول کرے اور زرِ اصل سے آٹھ سو روپیہ نقد بھی وصول کرلے تو کیا یہ سارے اندراجات کبھی صحیح اور جائز بھی ہو جاسکیں گے۔ اور کیا حساب سمجھانے کے وقت مہاجن کا یہ کہنا کسی طرح حق بجانب ہو سکتا ہے؟ کہ "اب جو کچھ میں وصول کر چکا ہوں اُسے معرضِ بحث میں نہ لاؤ اور بقیہ رقوم کے متعلق گفتگو کرو۔"

پس اگر ہندوستان کے قرضوں کا کچھ حصہ ادا ہو چکا ہے تو سوال یہ ہے کہ اس کے ادا کرنے والے کون تھے۔ کیونکہ اس کی ادائیگی کا حق سوائے ہندوستانی محصول دہندوں کے اور کسی کو بھی نہیں ہے اور اگر وصولی قرض کے نام سے کسی نے کچھ رقم وصول ہی کر لی ہے تو پھر اُس کا واپس لے لینا ہی مقتضائے انصاف ہے۔

الغرض "قرضہ عامہ" کے مسئلہ کے مطالعہ سے جس کا ایک مختصر اور اجمالی بیان اوپر گذر چکا ہے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ نہ صرف کوئی رقم ہندوستان کو بصورت قرض ادا کرنا چاہئے بلکہ خود انگلستان کے ذمہ تقریباً آٹھ ارب روپیہ ہندوستان کا واجب الادا ہو جاتا ہے جو اُسے ہندوستان کو ادا کرنا چاہئے۔ ان حقائق کے انکشاف سے خریداران گورنمنٹ باونڈ کو کچھ گھبرانا نہ چاہئے۔ اگر برطانیہ میں کچھ بھی تاجرانہ اخلاق ہنوز باقی ہے تو وہ ضرور سارے کا سارا روپیہ ادا کر دے گا۔ اس نے اپنے اعتبار پر ہر باونڈ فروخت کئے ہیں۔ اور وہ ان رقوم کی ادائیگی سے کیونکر مُنھ موڑ سکتا ہے۔ خریداروں کا نقصان صرف اُسی وقت ہو سکتا ہے جب انگلستان ان قرضوں کی ادائیگی سے انکار کر دے

فصل ہفتم

خلاصہ

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب بڑی بڑی سلطنتیں تباہ و منتشر ہونے لگتی ہیں تو اس وقت حوصلہ مند جماعتیں قبضہ وطاقت کے لئے آپس میں برسرِ پیکار نظر آتی ہیں۔ یہی حال ہندوستان کا بھی ہوا اور ایسٹ انڈیا جیسی منافع گیر کمپنی نے موقع سے فائدہ اُٹھاکر شہنشاہ دہلی کے ہاتھوں سے عصائے شاہی چھین لیا (کچھ تو ملک کی غیر مطمئن حالت کے سبب جبکہ باہم جنگوں کے باعث خود سلطنت مغلیہ تباہ ہو رہی تھی اور کچھ اُن مظالم کے سبب جو آخری بادشاہوں نے روا رکھے) اس وقت ملک پر بھاری محصولات لگے ہوئے تھے اور خود ملک کی اقتصادی حالت ہیجان و انتشار میں تھی۔ برطانوی قدامت پسندی کی پہلی بسم اللہ یہ ہوئی کہ انھیں بھاری اور ظالمانہ محصولات کو حالت امن میں بھی جاری وساری رکھا گیا۔ نظام حکومت کی پختگی اور انتظامات کی سختی نے انھیں صوبوں کی آمدنی کو اس قدر

بڑھا دیا جو مغلیہ حکومت میں کبھی وصول نہ ہوئی تھی، تولیت (Trusteeship) کی خیال آفرینی اُس وقت نہ تھی بلکہ اس وقت کمپنی کے سامنے محض زرکشی اور استحصال کا ایک ایماندارانہ کاروباری مسئلہ تھا جس پر وہ کھُلے بندوں عمل پیرا تھی "تولیت" کا تخیل تو بہت بعد کا مسئلہ ہے۔ جسے برطانیہ کے قبضہ کی صحت اور جواز کے لئے رفتہ رفتہ نشوونما دیا گیا۔ کلایو (Clive) اور وارن ہسٹنگ جیسے بانیان سلطنت نے ملک کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک خوب لوٹا اور جس قدر دولت سمیٹ سکتے تھے سمیٹ کر لے گئے۔ یہی وہ روپیہ تھا جو اسٹیم انجن وغیرہ جیسے ایجادات پر لگایا گیا اور بڑی حد تک یورپ کے "صنعتی انقلاب" کا سبب ہوا۔ پس وہ حالات جو یورپ اور انگلستان کے فائدہ کا سبب ہوئے وہی ہندوستان کے نقصان کا موجب ہوئے۔ اور اسی زمانہ سے ہمارے ملک کی اقتصادیات کا وہ انحطاطی دور شروع ہو جاتا ہے جو آجتک کسی طرح درست نہو سکا۔ انگلستان کو اپنا گھر بھرنا تھا اور حق یہ ہے کہ اس نے خوب ہی جی کھول کر اپنا گھر بھرا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تعمیر محض تجارتی کاروبار پر ہوئی تھی۔ اس کی سیاست میں ملکی معاد

کے لئے کسی تعمیری پالیسی کی تلاش محض ایک حماقت ہے۔ شخصی کاروبار کے مثل اس کا نظریہ بھی دور اندیشی اور دوربینی کی بجائے محض فوری اور سریع الحصول فوائد پر منحصر رہا اور اگر کبھی ہندوستان کے فائدے کا خیال بھی ہوا۔ تو اُسے انگلستان کے فوائد کے ماتحت رکھا گیا جس کا مقصد ساری دنیا پر اقتصادی تفوق حاصل کرنا تھا اور ہے۔ ہندوستان ان اقتصادی مقاصد کے حصول کا ایک زینہ قرار پایا اور ملک کے اقتصادی انحطاط کی رفتار خارجی اسباب کے باعث اکثر و بیشتر غیر متوقع طرح پر تیز تر ہوتی گئی خواہ اہل برطانیہ اپنے افعال کے نتائج سے باخبر ہوں یا نہیں۔ سلطنت مغلیہ کے آخری دور کا اقتصادی جمود، ان غیر ملکی حکمرانوں کی سیاست کے باعث متبدل بہ انحطاط ہوتا ہی گیا۔

کارخانہ جات انگلستان میں غایت تیزی سے قائم ہونے لگے اور ان میں ہندوستان کی خام اجناس کی کھپت بھی ہونے لگی گویا کہ ہندوستان کو خام اجناس کی بہم رسانی کا ایک مستقر بنادیا گیا۔ انگلستان کے سرمایہ داروں نے ہندوستان کے ساتھ ایسا تجارتی اتحاد قائم کیا۔ جس میں الٹا ہندوستان ہی کا گھاٹا رہا۔ مگر ہندوستان کے لئے اس مصیبت کے بے چون چرا

برداشت کرنے کے سوا اور چارہ دہی کیا تھا۔یہی وہ اثرات تھے جن کے ماتحت ہندوستان کے محصولات جنگی مرتب ہوتے رہے ہرچند کہ مسٹر میکڈونلڈ اسے تسلیم کرتے ہیں کہ حکومت ہند کی سیاست ہندوستانی مفاد کے لئے مضر نتائج پیدا کرتی رہیں، مگر وہ ان سب کو اجتہادی غلطی پر محمول کرتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ چونکہ حکومت "آزادیٔ تجارت کے اصول پر ایمانداری سے عقیدہ رکھتی تھی۔ اُس نے اس اصول کو ہندوستان میں جاری کردیا۔ جو حسن اتفاق سے لنکا شائر کے مفاد کے مطابق پڑگیا"[1] ان عذرات میں کچھ معقولیت اس وقت ہوتی جب یہ حالات کسی شخص واحد یا ایک تھوڑے زمانہ تک حکمرانوں کی اجتہادی غلطی کے سبب سے جاری رہتے۔ مگر جب ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ سالہا سال بلا فرق اسی پالیسی پر عمل درآمد کیا جا تا رہا ہے۔ تو ایسی حالت میں مسٹر میکڈونلڈ کے نظریہ کو تسلیم کرلینا ان تعلیم یافتہ اور لایق دماغوں کی توہین کرنا ہے جن کے ہاتھوں میں ہندوستان کی حکومت کی باگ مدتوں رہی اور ہمیں مجبوراً اسی نتیجہ پر قائم رہنا پڑتا ہے کہ تجارت خارجہ میں انگلستان نے کبھی ہندوستانی مفاد کیا تھا

1. J. R. Macdonald's Govt. of India P.128-29

انصاف نہیں کیا اور یہی خیال فطری اور قرین انسانیت بھی ہے کیونکہ انسان پہلے اپنے ملک کا بھلا دیکھتا ہے۔ مزید براں ملک کی ظاہری حالت سے بھی بجز اس کے اور کوئی بات ظاہر نہیں ہوتی ہر چند کہ زعمار ہند کے بار بار حکومت کو اس کی اقتصادی پالیسی کی غلطی پر متنبہ کرتے رہنے پر بھی جیسے زعمار ہند نے کبھی بھی فروگذاشت نہیں کیا۔ ہندوستانی سویلینوں کے اس رویہ کو کسی نیک نیتی پر محمول کرنا آخری اور انتہائی حد تک ہماری سادی مزاجی اور بھولے پن کی جانچ کرنا ہے۔

انگلستان کے کارخانوں کی ترقی بھی ہمارے ملک میں ایک حد تک ریلوے کی توسیع کا سبب ہوئی ہے۔ پھر جنگی اور غیر متوازی ریلوے محصولات کا خوشگوار امتزاج کاروبار کے مزید فروغ کا سبب ہوئی۔ ان حالات کو دیکھ کر انگلستان کی اصطلاح کے مطابق ہندوستانی سیاسی ہنگامہ پسندوں اور ان کے گمراہ فرنگی احباب نے کبھی کبھی بے اطمینانی کا اظہار کیا ورنہ یوں تو سارا کام خاموشی اور عمدگی سے چلتا رہا اور زرکشی کی وہ پالیسی جو ایسٹ انڈیا کے زمانہ سے جاری تھی اُسی طرح اس وقت بھی جاری و ساری ہے جب حکومت کی ذمہ داری تاج برطانیہ نے اپنے سر لی ہے۔

حالانکہ اس تغیر کے بعد یہ مسئلہ محض تجارتی کاروبار کانہ تھا۔ بلکہ خود
انگریزوں نے "م سے" زبانی ذمہ داری" کے بلند بانگ دعوے
سے یاد کیا ہے۔ ہندوستانی اس دلکش نغمہ کو سمجھنے سے تو قاصر
رہے مگر انھوں نے اس میں بھوکی شاہنشاہیت کی خوفناک گرج
ضرور محسوس کی ساں سیاسی اور تاریخی تشریح کے بعد تجارت خارجہ کا
مسئلہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ شرح تبادلہ کی مصنوعی حالت کو قائم
رکھتے ہوئے ہندوستان سے اس قدر وصول کیا گیا جس قدر کہ وہ
دلیسکتا تھا اور پھر اُسی قدر واپس کیا گیا جس قدر کہ محض ضروری تھا
واہ رے ہندوستان کی خوش نصیبی! وہ انگلستان کو منافع بھی
دیتا اور اس سے گراں قیمت مال بھی خریدکرتا" لاریب ملک کا
تجارتی توازن ایسا نہیں جو لوگوں کی طاقت پیدا وار کو بڑھا سکے۔
کثیر رقم انتظامی محکموں پر صرف کردی جاتی ہے جسے عوام کی
صلاحیت پیداوار کی بڑھانے سے بہت کم تعلق ہے اور ایسے
محکموں کی توسیع و ترقی کو روک دیا گیا ہے جن کا تعلق ملکی فلاح
و ترقی کے ساتھ وابستہ تھا۔ توسیع و تعمیر سلطنت پر تو اس قدر خرچ
ہوتا رہا جس نے تمامی ذرائع آمدنی کو خالی کردیا مگر قومی تعمیر کے اخراجات
ہمیشہ بے توجہی ولاپرواہی کے شکار رہے۔ آخرکار مسٹر میکڈونلڈ بھی

اس قدر تسلیم کر لینے پر مجبور ہوئے کہ "ہم لوگوں نے شاہی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ہندوستان کی آمدنی بے دریغ صرف کیا۔ مگر فلاح وفروغ کے کاموں میں بجد کوتاہی سے کام لیا ہے"[1] گویا کہ غریبوں کی آہ وبکا ہمارے حکمرانوں کے شور وشغب میں گم ہو کر رہ گئی۔

ہندوستان کے وصول شدہ محاصل کا زیادہ تر حصہ انگلستان میں خرچ ہو جاتا ہے۔ مسٹر میکڈونلڈ کے ارشاد کے مطابق "سب کچھ کہنے اور کرنے کے بعد جب منافع اور نقصان کی میزان لگائی جاتی ہے تو پھر اس میں شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ ہندوستان کا روپیہ ملک سے باہر جا کر دوسروں کے استفادہ کا سبب ہو رہا ہے اور ہندوستان محض نقصان ہی نقصان میں رہ جاتا ہے"[2]

غربا سے وصول شدہ محصولات کو صرف غیر ملکی حکمرانوں کی عزت و وقار کے قائم رکھنے میں صرف کیا جاتا ہے۔ اس جگہ بھی اسی مزدور لیڈر کے حوالہ سے کہا جاتا ہے کہ "غربا سے ان کی حیثیت کے لحاظ سے بہت زیادہ اور امرا سے ان کی صلاحیت

---

1. J.R. Macdonald's The Awakening of India P.148
2. " " " " " " " " " "

سے بعد کم محصولات وصول ہوتے ہیں"۔[1] سرائے کوٹن کا خیال ہے کہ "جس آسانی کے ساتھ امرا اور متوسطین محصولات کے اثر سے بچ نکلتے ہیں وہ انتظامات ملکی پر ایک بدنما داغ ہے اور حکومت ہند کو اس کا جلد سدِ باب کرنا چاہیئے"۔ غریبوں کا اپنی خوراک تک سے بچایا ہوا روپیہ مسرفانہ اخراجات اور تعیش کی نذر ہوجاتا ہے اس سے افادۂ مختتم کا بھی نقصان ہوجاتا ہے جو سرمایہ میں محصولات یا بہ الفاظ دیگر قومی سرمایہ میں کبھی روا نہیں رکھا جاسکتا۔ مثلاً مالگذاری پر بحث کرتے ہوئے سر ولیم ہنٹر[2] تسلیم کرتا ہے کہ "حکومت کے تشخیص شدہ لگان کی ادائیگی کے بعد کاشتکار کے پاس اس قدر بھی نہیں رہ جاتا کہ وہ اپنے کنبے کا بوجھ سال بھر تک اٹھاسکے"

بجا طور پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ امرا کو چھوڑ کر آخر غربا پر حکومت نے نسبتاً کیوں اس قدر زیادہ ٹیکس لگا دیا ہے؟ جواباً یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس طرح برطانوی مقیم ہندوستان جو تمام کے تمام اسی آسودہ حال طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں نسبتاً ان محصولات سے مامون ہوجاتے ہیں۔ اس امر کا ایک زیادہ معقول اور سیاسی جواب

1. J.R. Macdonalds The Govt of India P. 149
2. Quoted by Lajpat Rai Unhappy India P. 356

بھی ہے اور جو حال ہندوستان کا ہے اس لحاظ سے کسی دوسری صورت کا پیدا ہونا تعجب انگیز ہوتا۔ بہرحال جواب یہ ہے کہ ایک بدیسی حکومت کی حیثیت سے حکومت ہند عوام کی خوشی اور مرضی کی مضبوط اور پائدار بنیادوں پر قائم نہیں ہے اور اسی وجہ سے اس کی جڑیں قدرتی اور طبعی طرح پر غذا حاصل کرنے سے محروم ہیں اُسے اپنے قیام کے لئے لوگوں کی ہمدردی اور امداد درکار رہتی ہے اور ایسی دفتری حکومت کو جس جماعت کی امداد و وفاداری کی سب سے زیادہ توقع اور تمنا رہتی ہے وہ انہیں تعلیم یافتہ متوسطین۔ رؤسار عظام اور سرمایہ داران کی ہے جن پر ٹیکس کا سب سے کم بار ڈالا جاتا ہے اور چونکہ برطانوی مقاصد کے ساتھ ان کے مقاصد بھی ایک گونہ ملے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے ان کے احتجاج کی جلد شنوائی بھی ہو جاتی ہے۔

ایک بدیسی حکومت کے اخراجات بھی انہیں مصنوعی اور غیرطبعی اسباب کی بناپر اس قدر بڑھ جاتے ہیں جو وطنی حکومت میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتے۔ اُسے اپنی حفاظت کے لئے ہر وقت ایک مشاہرہ دار فوج کے قائم رکھنے کی ضرورت رہتی ہے جس کا بار خواہ حالت امن ہو یا جنگ مالیات عامہ پر پڑتا رہتا ہے۔ بخلاف اس کے ایک ملکی

حکومت بہت تھوڑی باقاعدہ فوج رکھنے کے بعد اپنا، وطن پر امداد کے لئے بھروسہ رکھتی ہے۔

یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ قحط زدہ علاقوں کی مصیبت دور کرنے میں ریلوے نے بڑی مدد پہنچائی مگر اس کی مثال تو ایسی ہی ہے کہ سمندر کے طغیان و طوفان میں شکستہ جہازات کے مسافروں کو بچانے کے لئے بجائے صحیفہ حیات کے کوئی حکومت عظیم الشان جنگی جہازات تیار کرانے کا خیال کرے۔ یہ ایک مہمل استدلال ہے۔ جب ان طریقوں پر عمل نہیں کیا جاتا جس سے قحط کا سدباب ہو جائے تالاب و کنوئیں بند کرنے کے بعد نہروں کا پانی من مانی قیمت پر فروخت کرنا، علمی تحقیقات کے بغیر اور معمل کے نقدان کے باوجود بار بار کھیتوں میں ایسا پانی پہنچانا جو زراعت کے لئے نقصان دہ ہو جائے، قحط کے امکانات کو دور نہیں کرتا، پھر ان کوتاہیوں کے باوجود محض ریلوے کے بھروسہ پر قحط کے امکانات کو روکنے یا کم کرنے کا خیال کرنا غیر معقولیت کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ سرا ے کولن کہتا ہے کہ "میرا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ہندوستان کو دریائی وسائل آمد و رفت کی حاجت تھی مد ریلوے نظام کامل طور پر ناکام ہو گیا کیونکہ وہ اس قدر سستا نہ ہو سکا

1. Quoted by K.T. Shah: Trade, Tariffs & Transport P.409.

جس قدر کہ جہاز اور کشتیاں سستی ہو سکتی تھیں۔ اسباب و مسافروں کو ڈھونے کے باوجود دخانی کشتیاں بہ لحاظ رفتار ریلوے سے کسی طرح کم نہ ہوتیں۔ اور ارزاں کرایہ پر بھی چلتیں۔" رشبروک ولیم ایک صحیح نکتہ کی تشریح کرتا ہے جب وہ یہ کہتا ہے کہ "ہندوستان[1] کی ناقابل انکار غربت کا سبب یہ ہے کہ ملک کی تنظیم اس طرح نہیں کی گئی جس سے پیداوار ملکی میں اضافہ ہو سکے۔" اور اس عدم تنظیم کی وجہ مسٹر جے۔ اے ہبسن کے اس اصولی اظہار رائے میں مل جاتی ہے کہ "مغربی دنیا" اپنے اقتصادی اور سیاسی خیالات کو اس طرح عملی جامہ پہنا رہی ہے اور اس کے جزیات اور اصولی خیالات کا بھی ارتقاء اس طرح ہو رہا ہے کہ غیر قوموں کا استیصال اپنا جائز اور واجبی حق سمجھنے لگی ہے اور یہ مغربی استعماریت جماعتی تفوق کی جگہ لے رہی ہے اور ایسی ذہنیت اور اخلاقیات کا نشو و نما ہو رہا ہے جو اس جدید سماجی کیفیات کے مناسب حال ہو سکے۔ یہ ہوا اس طرح چل رہی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ ہی دنوں میں یہ مغربی قومیں اپنی احتیاج کا بار کرہ ارض کی غیر تعلیم یافتہ غریب اور کمزور قوموں کے کاندھوں پر ڈال دینگی خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں

1. Rushbrook Willams India in 1923, 1924 P.194

بستی ہوں۔ اور یہ تمامی تفوق یافتہ قومیں ان کی متحدہ ومشترکہ محنت
کے بدل میں چین و آرام کی زندگی گذارتے ہوئے اس تفوق آمیز تخیل
میں مخمور نظر آئیں گی کہ وہ دنیا کے حکمراں ہیں۔" ڈاکٹر ردرفورڈ بھی
اسی حقیقت کا اظہار کرتا ہے جب وہ تحریر کرتا ہے کہ برطانیہ جس طرح
ہندوستان پر حکومت کر رہی ہے وہ "دنیا کی پست ترین اور غیر
اخلاقی اصولوں پر جاری ہے۔ جس میں ایک قوم باطمینان تمام دوسری
قوم کو اقتصادی اور سیاسی اصولوں کے ماتحت فنا کر رہی ہے اور
اس کے استیصال میں مصروف ہے۔"[1] اور یہی حصول آمدنی کے
غلط طریقوں اور اخراجات کی بے اصولیوں نے بقول مصنف ہندوستان
کو غربت کے پست ترین حدود میں پہونچا دیا ہے۔ وہ خصوصیت
کے ساتھ بتاتا ہے کہ "حکومت[2] نے عوام کی تعلیم میں لاپروائی برتی
دیہاتوں میں حفظان صحت، وطبی امداد بہم نہ پہنچائی، غربا کے مکانات
کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کی، کاشتکاروں کو ساہوکاروں کے
ظلم سے نہ بچایا۔ نہ زراعتی بنک قائم کئے۔ نہ زراعت کی ترقی کا
خیال کیا۔ نہ ہندوستانی تجارت کی امداد پر توجہ کی اور نہ برطانوی
سرمایہ داروں کو اس امر سے باز رکھا کہ ریلوے، برقی روشنی اور دیگر

1. V.H. Rutherfords Moder India P.77
2. Ibid Ibid P.161

قومی ٹھیکوں پر ہندوستانیوں کے مقابلہ میں قبضہ نہ کریں اور نہ ہندوستانی سکہ کے غیر طبعی تغیر کی بحالی پر کچھ توجہ کی جو محض انگلستان کے فائدے کے لئے قائم رکھا گیا ہے۔

محصولات تامین اگر قدیم دستکاری اور گھریلو صنعتوں کو نہیں بچا سکتے تو کم از کم وہ ملکی کارخانہ جات کو تو بچا سکتے تھے، اور ان کے استحفاظ اور ترقی سے یہ فائدہ تھا کہ وہ فاضل آبادی جو مجبوراً زراعت کا سہارا پکڑے ہوئے ہے، ان نئی صنعتوں میں لگ کر کاشتکاری سے اپنے تعلقات منقطع کر لیتی اور زراعت بھی جب اس فاضل انسانی بوجھ سے نجات پا جاتی تو زمین اور مزدور کے صحیح تناسب کے امتزاج سے زیادہ پیداوار دینے لگتی۔ دوسری طرف اگر مزدوروں سے شرکت منافع (سرمایہ کو نقصان سے بچاتے ہوئے) کے اصول پر صنعت کو ترقی دی جاتی تو ان تمام باتوں کا خوشگوار نتیجہ عوام کی خوشحالی اور فارغ البالی کی صورت نمایاں ہوتا لاریب "اگر دستکاری مردہ کر دی جائے زراعت پر بھاری ٹیکس لگجائے اور ملک کی تہائی آمدنی ملک سے باہر چلی جائے تو ایسے حالات میں خواہ دنیا کی کوئی قوم ہو مستقل غربت اور مسلسل قحط کا شکار ہو جائے گی (اقتصادی قوانین خواہ یورپ میں خواہ ایشیا میں

کارفرما ہوں یکساں ہیں اور یکساں رہیں گے۔ ہندوستان کی موجودہ
غربت کے اسباب یہی اقتصادی کیفیات ہیں جو اس وقت ہندوستان
کے مقاصد کے خلاف روا رکھے جا رہے ہیں۔ "ان حالات میں اگر ہندوستان
تونگر اور مالدار ہو جاتا تو یہ ایک معجزہ سمجھا جاتا۔" ہاں! اگر حیرت ہے
تو اس پر ہے کہ وہ ابتک زندہ کیونکر ہے اور اقتصادی معجزہ اگر ہے
تو یہ ہے کہ تقریبًا ایک صدی سے ہندوستان پتھروں سے روٹیاں
بنا بنا کر زندگی گذار رہا ہے۔ دنیا کی کوئی دوسری قوم ہوتی تو کب
کی ان مشکلات وحوادثات سے پریشان ہو کر حالت ناامیدی
میں موت کی گھاٹ اتر جاتی۔ اس بات کے تو خود مسٹر ریمزے
میکڈونلڈ مقر ہیں کہ "ہم لوگوں[1] (انگریزوں) پر معقولیت کے ساتھ
کم از کم دو اہم اعتراضات تو ضرور عائد ہوتے ہیں۔ ایک حکومت
کا مسرفانہ رویہ دوسرا ہندوستان کے ساتھ ذلیل برتاؤ۔" اگر اخراجات
عامرہ استعداد پیداوار کی بڑھانے کے نقطۂ نگاہ سے کئے جاتے
تو اس سے لوگوں کی عقل واستعداد بحد نشو ونما پاتی۔ اب بصورت
دیگر یہی لوگوں کی مردنی اور زبوں حالی کا سبب ہو رہا ہے۔ جب
ملکی آمدنی کا بڑا حصہ بہت ہی قلیل معاوضہ میں ملک سے باہر چلا

---

1. J.R. Macdonald's The Awakening of India P.148

جاتا ہے۔ تو ملک بھی اُس حد تک غریب ہو جاتا ہے کیونکہ اگر وہ کثیر سرمایہ ملک میں رہجاتا تو آخرکار ابنائے ملک ہی میں تقسیم ہو جاتا۔ شخصی سالانہ آمدنی کا اندازہ جو حکومت نے تیار کرایا ہے درج ذیل ہے۔

جس سن میں تیار ہوا	جس شخص نے تیار کیا یا نگرانی میں تیار ہوا	اوسط سالانہ فی کس آمدنی
سنہ ۱۸۸۱ء	بارنگ اور باربر	۲۷ روپیہ
سنہ ۱۹۰۱ء	لارڈ کرزن	۳۰ 〃
سنہ ۱۹۲۱ء	پروفیسر شاہ	۷۴ 〃

مذکورہ بالا اعداد کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے شخصی آمدنی ترقی پذیر ہے۔ مگر بذاتہ روپیہ کی کوئی قیمت نہیں ہے اور جب تک استعداد خریداری کی نسبت سے روپیہ کی قیمت کا صحیح اندازہ نہ لگایا جائے روپیہ کی قیمت کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ شرح بکری اشیاء کی نسبت سے شخصی سالانہ خرچہ کا حساب سنین مذکورہ بالا میں مبلغ ایک سو ایک سو بیس اور تین سو اٹھتر ہوتا ہے اور اسی شرح بکری سے جب حساب لگایا جاتا ہے تو سنہ ۱۸۸۱ء میں مبلغ ستائیس روپیہ سنہ ۱۹۰۱ء میں ۳۷، ۲۰-۲۰ اور سنہ ۱۹۲۱ء میں ۱۹، ۶ روپیہ اوسط آمدنی فی شخص نظر آتی ہے۔ اوسط آمدنی کی مغالطہ آمیز زیادتی جو

سرکاری اعداد و شمار سے ظاہر ہوتی تھی۔ شرح بکری اشیا کی روشنی میں صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ وہ زیادتی حقیقی نہ تھی بلکہ آمدنی رُو بہ انحطاط تھی۔ مسٹر ہائیڈ مین خوب جانتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ جب اُس نے یہ تحریر کیا کہ "میں بار بار اس کا اعادہ کرنے پر مجبور ہوں کہ ہندوستان کے لوگ غریب سے غریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کا ٹیکس نہ یادہ ہی نہیں بلکہ ان کے تناسب آمدنی کے لحاظ سے بے حد بھاری ہے اور اس میں ہر خشک سالی کا سال ان کے غربت کی خلیج کو عمیق کرتا جا رہا ہے اور قحط کے امکانات کو آسان کرتا جاتا ہے۔ ملک کی بہت سی تجارتیں[2] ملک کی غربت کا آئینہ ہیں اور یہی اس امر کا بھی قطعی ثبوت ہے کہ ایک منظم غیر ملکی حکومت کس طرح ملک کی دولت کو ہولناک طریقہ پر بہا دینے کا اصلی سبب ہو رہی ہے۔ ان کی خوش قسمتی سے اگر ایسا ہو جاتا کہ انہیں غربا کے خرچ سے ساری دنیا کی مجموعی ریل اور اور نہر ہندوستان میں پھیلائی جا سکتی تو ان کو بھی انھیں ہلاکت آفریں انجام کے پورا کرنے میں لگا دیا جاتا۔"[1] نمایندہ اور جمہوری حکومتو

1. M. Hyndman's Bankruptcy of India P. 74

۲۔ غالباً ان تجارتوں سے مراد ہڈی اور خون کی تجارت ہے جو ہندوستان سے باہر بھیج دیا جاتا ہے۔

میں اخراجات سلطنت کی زیادتی ملکی ترقی کا صحیح پیمانہ تصور ہوتا ہے
لیکن ہندوستان میں اخراجات حکومت کی زیادتی کا سبب
یہ ہے کہ عمال حکومت کے ووٹ کی مدد سے زیادہ خرچہ مشاہرہ اور
بھتہ پر ہو جاتا ہے۔ جو ملک کے لئے سخت نقصانی کا سبب ہے۔
ایسے غیر منفعت بخش اخراجات کی زیادتی کے سبب جس سے براہ راست
یا بالواسطہ محصول دہندہ کو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی آمدنی
کی کمی کا سبب ہو جاتا ہے اور یہ انحطاط افادہ مختتم کی حد تک
پہنچ کر جبکہ مزید پیداواری کی صلاحیت برباد ہو جاتی ہے، قومی
آمدنی کے نقصان کا موجب ہو جاتی ہے۔ سر ولیم ہنٹر کہتا ہے
کہ "یہ محض بیکار رہا جو ہم لوگوں نے ہندوستان کے بیرونی حملوں
کا سدباب کر دیا۔ اور ملک میں بے انتظامی اور بے امنی کے بدلے
امن و سلامتی کی فضا پیدا کر دی۔ اسکول اور عدالتوں کا جال
سارے ملک میں پھیلا دیا، سڑکوں، ریلوں، اور نہروں کے اجرا
سے ملکی تجارت، اور اس کے باشندوں میں ایک انقلاب کی لہر
دوڑا دیا۔ اگر یہ تمام ساز و سامان ملک کی خوشحالی اور فارغ البالی
کے لئے ناسازگار ہو گیا اور ان ساز و سامان کے باوجود اتنا
فائدہ بھی مرتب نہ ہو سکا کہ باشندگان ملک کو دو وقت پیٹ بھر کر

کھانے کو مل سکے اور اس غیر ملکی نظام حکومت کا بار برداشت ہو جائے۔"

ان اقتصادی نقصانات کے علاوہ ایک نقصان یہ بھی ہو رہا ہے کہ اخراجات کا مناسب بدل ملک کو نہیں مل رہا ہے بہت ہی بہتر فائدہ جو ایک قوم اپنے اخراجات انتظامی سے اٹھاتی ہے وہ اپنے ملازمین کے تجربوں سے اٹھاتی ہے اور ان کا یہ فائدہ پنشن پانے کے بعد بھی ملک کو پہنچتا رہتا ہے۔ اُس وقت قوم ان کے تجربوں سے فائدہ اٹھاتی ہے اس رُو کر بھی ہندوستان کی زبوں حالی ظاہر ہے۔ سویلین انگریز ہندوستان میں ہر طرح کا تجربہ حاصل کرتے ہیں اور انگلستان روانہ ہو جاتے ہیں وہ تجارب جو وہ ہندوستان میں رہ کر حاصل کرتے ہیں اُن سے ہندوستان تو ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتا ہے مگر اس کا فائدہ انگلستان کو پوری طرح ملتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ سیاسی دنیا میں انگلستان کی سرداری اس کے فرزندان وطن کے ان وسیع تجربوں کے سبب ہوئی ہے جو انھیں بہت حد تک ہندوستان کی سرزمین میں حاصل ہو سکی۔



فصل ہشتم

اختتام

غربا کے افلاس کو دور کرنے کے وسائل پر بحث کرتے ہوئے ڈبلو۔ایس۔ بلنٹ یہ بتاتا ہے کہ "غربا کے[1] افلاس کا علاج محض قانون سازی سے نہیں ہو سکتا بلکہ ان مقاصد کے لئے لنڈن اور کلکتہ کے اس گروہ کے مفاد کے ساتھ کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنا ہوگا۔ جو طاقت کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم ہے اور ہندوستان کی دولت بے دریغ سمیٹ رہا ہے۔ محکمہ مالیات کی بدانتظامی ہر خرابی کی موجب ہو گئی ہے۔ اور جب تک اُسے درست نہ کر لیا جائے اور کوئی دوسری ترکیب بالکل کارگر نہ ہوگی غربا کی دولت کا بیجا صرف ہمیں بند کرنا چاہیئے۔ اور اس کی جگہ پر حصول آمدنی کے لئے ہمیں نئے اور زیادہ منفعت بخش ذرائع پیدا کرنے چاہئیں۔ اور ہندوستان کا دوسرے حصص برطانیہ

1. W. S. Blaints India under Ripon P. 247

سے مالی واسطہ متوازی طریقہ پر قائم کرنا چاہیئے" اگر شہنشاہیت برطانیہ انتظامات میں اس قدر ترمیم روا رکھے جو ہندوستان کو ان اخراجات سے بری کردے جن میں اس کا کوئی فائدہ نہ ہو تو ہندوستان کے خزانہ میں اس قدر روپیہ بچ جائے جس سے سیکڑوں ضروری اصلاحی تجاویز عمل میں لائی جا سکیں اور ان سے پیداوار پر مناسب اور مفید اثر پڑ سکتا ہے۔ یہ خیالات مسٹر میکڈونلڈ وزیر اعظم انگلستان کے ہیں جن کے ہاتھ میں اس وقت ہندوستان کی بھی عنان حکومت ہے۔

فطرت انسانی جب تک وہی ہے جو اُسے ہونا چاہیئے، اُس وقت تک اقتصادیات ہند کو مفاد ہند کے مطابق نہیں بنایا جا سکتا تا آنکہ کارفرما طاقت کا مفاد کسی نہ کسی طرح ہندوستان کے فوائد کے ساتھ منطبق کر دیا جائے۔ محصولات اس طرح عائد ہونے چاہئیں جس سے قوم کی حرکت عمل اور پیداوار کی نشو ونما ہو۔ جب محصولات ملکی تجارت کی ترقی و پرورش کا باعث ہوں۔ اور آمدنی جب وسائل آمدنی کو نقصان پہنچائے بغیر حاصل ہونے لگے۔ جب یہ عیش پرستانہ اور مسرفانہ نظام حکومت کا بار فاقہ کشی آبادی کے کاندھوں سے اُٹھا لیا جائے

اور حکومت کی زیر پرستی جب ہندوستان میں دولت کمانے والے اپنا واجبی حصہ حکومت ہند کو ادا کرنے پر مجبور ہو جائیں اور ہندوستان کا سرمایہ جب اس طرح خرچ ہونے لگے جس سے لوگوں کو اس کا فائدہ محسوس ہو، حکومت کے کاموں میں جب جذبہ خدمت کی جھلک ہو، اور اخراجات حکومت جب مقاصد قومی کے خلاف خرچ نہ ہوں، اس وقت جاکر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان اقتصادی طرح پر مدارج ترقی طے کر رہا ہے۔ لیکن اس کا ہونا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہندوستان کو اقتصادی آزادی حاصل نہ ہو جائے۔

منتخبہ کمیٹی متعلق قرضہ جات حکومت کی رپورٹ کا خلاصہ

کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے کراچی کانگریس کے موقع پر چار آدمیوں کی ایک منتخبہ کمیٹی مقرر کی کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور حکومت برطانوی کے ان مالی لین دین کی جانچ و تحقیقات کرے جو ہندوستان کے لئے کئے گئے نیز اس پر مفروضہ "قرضۂ حکومت" کی ذمہ داریوں کی بھی تحقیقات کے بعد مشورہ دے کہ کس قدر رقمیں انصافاً ہندوستان کے ذمہ رہنی چاہئیں اور کس قدر انگلستان کو برداشت کرنی چاہئے اس منتخبہ کمیٹی کی رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے:-

خلاصہ کمیٹی سر جیت ڈی۔ ان۔ بہادر جی، پروفیسر کے. ٹی شاہ، سر جیت بھولا بھائی جے ڈیسائی اور جے۔ سی کمار پا (داعی کمیٹی) پر مشتمل تھی۔ رپورٹ تین ابواب پر تقسیم ہے پہلے باب میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے جس قدر قرضے ۱۸۵۸ء تک لئے اس کی میزان ایک جگہ پر دکھائی گئی ہے۔ دوسرے باب میں حکومت کے قرضوں پر بحث کی گئی ہے۔ اور اس نے پیدا آور اور

غیر پیداآور کی جو دو تقسیم کی ہے، اس پر روشنی ڈالی گئی۔

پھر اس امر پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ برطانوی اقتدار کے دور میں جس قدر قرضے بھی لئے گئے اس کی ساری ذمہ داری حکومت پر ہے کیونکہ ملک میں کوئی دستوری حکومت کبھی قائم نہ رہی اور نہ قرضے ابنائے ملک کی اجازت و مشورہ سے لئے گئے، بہرحال رپورٹ نے اس امر پر اپنی آمادگی ظاہر کی ہے کہ "جس قدر قرضے ہندوستان کے فائدے کے موجب ہوئے ہوں" اس قدر رقوم کی ادائیگی کی ذمہ داری ہندوستان کو قبول کرنی چاہئے۔

ہندوستان کمپنی کے دورِ حکومت میں

رپورٹ میں کمپنی کی سرسری تاریخ بیان ہوئی ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح دو صدی کے عرصہ میں ایک تجارتی کمپنی کی حکمراں طاقت بن گئی حقیقت میں کمپنی نے اپنے تجارتی اور اپنے مملکت کے عاملانہ اخراجات کے حساب کو اس طرح خلط ملط رکھا کہ اب اُس کو علیحدہ علیحدہ دکھانا تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔ بہرحال بہ نظر سہولت ممبران کمپنی نے قرضوں کے اُس حساب کو تسلیم کر لیا ہے جو کمپنی نے اپنی ضرورتوں کے لئے ۳۰ راپریل ۱۸۵۷ء تک کیلئے

تیار کیا تھا۔ اور سر جارج ملفور کی تحریک پر ۱۸۸۱ء میں اِسے پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا تھا۔ اس حساب کی رُو سے کمپنی کا قرضہ پانچ کروڑ اسّی لاکھ پاؤنڈ (یا ۵۸ میلین پاؤنڈ) تھا۔ اس قرضہ کی موٹی موٹی تفصیل یہ ہے:۔

کمپنی کی بیرون ملک سے جنگیں	میلین پاؤنڈ
پہلی جنگ افغانستان ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۵ ״ ״
برہما کی دو جنگ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۴ ״ ״
مہمات ایران، چین، نیپال ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶ ״ ״
سود بر سرمایہ کمپنی از ۱۸۳۳ء لغایت ۱۸۵۷ء	۱۵ ״ ״
	۵۰ ״ ״

کمپنی کی نبرد آزمائیاں

کمپنی کی بیرون ملک سے لڑائیوں کے اخراجات کو ہندوستانی خزانہ پر ڈالنے کے متعلق سر جارج ونگیٹ کے خیالات بہت دلچسپ اور لائق مطالعہ ہیں، وہ لکھتا ہے کہ "مملکت شاہی سے باہر ہماری اکثر ایشائی جنگیں ہندوستان کی مالی اور فوجی مدد سے لڑی گئیں ہیں، ان جنگوں میں سے بعض خالص شاہی مقاصد کی بنا پر ہوئیں اور بعض کو بعید اور دور از کار استدلال کی بنا پر ہندوستان کے

مفاد کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ یہ ساری
جنگیں برطانوی وزراء کے حکم سے ہوئیں۔ اس لئے نتائج کی ساری
ذمہ داری جو اُن مہموں سے پیدا ہوئیں برطانیہ کے سر ہیں جنگ
افغانستان اُس کی ایک نمایاں مثال ہے۔ یہ بات اب آشکارا
ہوچکی ہے کہ کمپنی اور بورڈ اوف ڈائریکٹرز کی خواہش کے خلاف
یہ جنگ محض وزرا ر برطانیہ کے اصرار سے لڑی گئی۔ یہ ایک خاص
برطانوی مہم تھی جو اختلافات کے باوجود برپا ہو کر رہی اور دلچسپ
بات تو یہ ہے کہ اس کے اخراجات بھی ہندوستان کے خزانہ
سے ادا کئے گئے۔ برطانوی حکومت نے کمیٹی اور بورڈ کے اختلافی
داویلا کی ذرا پروانہ کی اور تقریباً ۱۰ ملین پاؤنڈ کا خرچ ہندوستان
پر ڈال دیا گیا۔ اُن سیاسی مصالح کی بنا پر جن سے ہندوستان کو
کچھ سروکار نہ تھا۔ وزرائے انگلستان نے ایران سے اعلان جنگ
کردیا مگر جنگ پر روانہ کی گئیں تو ہندوستانی افواج اور جنگ کا
مالی بار بھی اسی کی گردن پر ڈالا گیا۔ اختتام جنگ پر نصف خرچ برطانیہ
نے ادا کرنا منظور کیا، حالانکہ اُسے سارے اخراجات کی ذمہ داری
لینی چاہیئے۔ عجب تماشہ ہے کہ ایشیائی مہمات کے لئے روپے اور
افواج ہندوستان سے لی گئیں لیکن ان گراں قدر اخراجات

اور جانی نقصانات کا کوئی معاوضہ کبھی ہندوستان کو ادا نہیں کیا گیا اور نہ تورقمیں پوری کی پوری واپس کی گئیں پس ہماری ہندوستانی حکومت کی مشین اسی طرح یک رُخا یکسر خودغرضی کے ساتھ چلتی رہی اور ہندوستان کے نقصان و مصیبت کی کسی نے کچھ پرواہ نہ کی۔"

جون برآیٹ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے چنانچہ دارالعوام میں اُس نے یہ کہا کہ "سال ماقبل میں نے یہ کہا تھا کہ انگلستان کو جنگ افغان کے اخراجات برداشت کرنا چاہیئے کیونکہ یہ جنگ برطانوی مفاد کے لئے وزرائے انگلستان کی ہدایت سے برپا ہوئی"

اس کے بعد کمیٹی نے یہ سفارش کی ہے کہ کمپنی کے دورِ حکومت میں جس قدر بیرون ملک سے جنگیں ہوئی ہیں۔ اور جن کے اخراجات کی میزان ۳۵ میلین ہوتی ہے، اُسے حکومت برطانیہ کو برداشت کرنا چاہیئے۔

سرمایہ کمپنی کا مسئلہ

الیسٹ انڈیا کمپنی ۶ میلین پاؤنڈ کے سرمایہ سے قائم ہوئی حکومت نے ۱۸۷۴ء میں ۱۲ میلین پاؤنڈ دیکر اس کی قیمت ادا کی۔ علاوہ ازیں

سرمایہ پر ۱۰ فی صدی کے حساب سے سود بھی ادا کیا۔ ان تمام ادا کاریوں کی میزان ، ۳ میلین پاؤنڈ تک آجاتی ہے' ملاحظہ ہو:۔

ادا کاری سود۔ از ۱۸۳۴ء لغایت ۱۸۵۸ء۔ ۱۵،۱۲۰،۰۰۰ پاؤنڈ

" " " ۱۸۵۸ء " ۱۸۷۴ء ۱۰،۰۸۰،۰۰۰ "

ادائیگی سرمایہ بہ اضافہ ۱۲،۰۰۰،۰۰۰

۳۷،۲۰۰،۰۰۰ پاؤنڈ

گویا رپورٹ کے بیان کے مطابق "ہندوستان کی آمدنی سے اس قدر رقوم ادا کرنے کے بعد اس کے نام پر جو سودا چکایا گیا ، اُس میں خود ہندوستان کے مفاد کا کہیں پتہ نہیں ہے۔ یہ کثیر رقوم تو کمپنی کے تجارتی حقوق و جائداد کی اصلی قیمت کے برابر ہوگئیں تھیں۔ اس خرید و فروخت کے طے کرنے والے ایک طرف ڈائرکٹران کمپنی اور دوسری طرف وزرائے انگلستان کی وساطت سے انگلستان کی پبلک تھی مگر ہندوستان کی کوئی آواز نہ تھی اور نہ تو اس کاروبار میں اس کی کسی طرح نمایندگی ہوئی۔ ایسی صورت میں ہندوستان پر اس مالی بار کا رکھنا حق و انصاف کا خون کرنا ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکورہ ہوچکا ہے برطانیہ کی اس کارروائی سے ہندوستان کا کچھ بھی بھلا نہ ہوا یعنی ان رقوم کی ادائیگی سے نہ تو ملک کو کوئی ایسا قیمتی

اثاثہ ہاتھ آیا جس سے ملک کی آمدنی میں مستقل اضافہ ہوتا اور نہ تو کوئی بھی کسی طرح کا فائدہ ملک وابنائے ملک کو پہنچا جو اُن رقوم کی ادا کاری کی وجوب وافادہ کو ثابت کرتا۔ کمپنی کے زمانہ میں ابنائے ملک نہ صرف ہر طرح کی اقتصادی مراعات سے محروم رہے، بلکہ نظام حکومت میں بھی اُن کا کوئی حصہ نہ تھا۔ گراں قدر اسامیاں غیر ملکیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ ہاں اگر فائدہ ہوا تو سراسر حکومت برطانیہ کا فائدہ ہوا کمپنی کی جنگی کارروائیوں اور اقتصادی کوششوں سے برطانیہ کو جو مالی و تجارتی فوائد ہوتے رہے اُس بنا پر اگر کمپنی کے سرمایہ اور سود کی ادا کاری حق وانصاف کے مطابق کسی کو کرنا چاہیئے تو وہ انگلستان ہے، ہندوستان جس کا سراسر گھاٹا ہی گھاٹا ہوتا رہا، کسی طرح اس ادا کاری کو قبول نہیں کر سکتا۔

کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ اس ۳۷ میلین خرچ کو بھی انگلستان کے ذمہ ہونا چاہیئے۔

اخراجات غدر

۱۸۵۷ء کے فوجی ہنگامہ کے فرو کرنے میں جو ۴۰ میلین پاؤنڈ خرچ ہوئے اُسے بھی ہندوستان کے سر ڈالا گیا مگر کمیٹی کے خیال

میں اس کی ذمہ داری بھی حکومت برطانیہ ہی ہے جو اُس وقت بھی کمپنی کی وساطت سے واقعی طور پر حکمراں تھی اور جس کی بدعنوانیاں اور بدنظمیاں اس عظیم شورش کا سبب ہوئیں۔ اس لئے وہی حکومت اس مالی بار کو بھی برداشت کرے جو اس فتنہ کا اصلی سبب ہوئی ہے کمیٹی نے اپنے اس استدلال کی تائید میں سکریٹری اوف اسٹیٹ کے ایک خط مورخہ ۸ راگست ۱۸۵۸ء کا اقتباس پیش کیا ہے جس میں تحریر ہے کہ "غدر ۱۸۵۷ء کے غیر معمولی واقعہ نے دفتر جنگ کو اپنے (اقتصادی) مطالبات کے پیش کرنے کا ایسا موقع بہم پہنچایا ہے جو آپ اپنی نظیر ہے۔ اپنے مشرقی مملکت کے ضائع ہوجانے کے خطرہ میں یہ اخراجات خود حکومت برطانیہ نے برداشت کئے جس سے ایسے موقعوں پر شاہی ذمہ داریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کبھی گریز نہیں کیا جا سکتا اگر سلطنت کے کسی دوسرے حصہ میں اسی طرح کی ضرورت پیش آتی تو نہ صرف اس کے لئے جنگی مہمات روانہ کئے جاتے بلکہ اس کے اخراجات کو بھی بہت حد تک برداشت کیا جاتا۔ مگر ہندوستان کی اس شورش کے فرو کرنے میں برطانیہ کا جو کچھ خرچ ہوا اُسے ایک ایک حبہ کر کے وصول کر لیا گیا۔ اور قرض اور سود کی صورت میں ابتک وصول کیا جا رہا ہے۔"

اسی کے مقابلہ میں جنوبی افریقہ کی ایک مثال موجود ہے جہاں بور باشندگان ٹرانسوال کی شورش کو فرو کرنے کے سلسلہ میں نہ صرف انگلستان نے پورا خرچ ہی خود برداشت کیا بلکہ ملکی باشندوں Boers کو اُن کے نقصانات کے معاوضہ کے سلسلہ میں ۳ میلین پاؤنڈ ادا کیا۔ اور پھر وہاں کی نوآبادی سے آج تک کوئی فائدہ نہ اُٹھایا حالانکہ ہندوستان کی حکومت سے اُسے بہت زیادہ فوائد حاصل ہوئے اور ہو رہے ہیں پھر اس خرچ کو ہندوستان پر رکھنا ضمیر اور انصاف کا خون کرنا ہے۔

بنا بریں وہ قرضے اور مالی ذمہ داریاں جو کمپنی سے ہندوستان کو پہنچیں جس کی میزان ۱۱۲ میلین زر طلائی ہو جاتی ہے جس کی تفصیل پھر درج کی جاتی ہے :-

افغانستان کی پہلی جنگ کے اخراجات	۱۵,۰۰۰,۰۰۰
برہما کی دو جنگ " "	۱۴,۰۰۰,۰۰۰
چین و ایران وغیرہ کی جنگ	۶,۰۰۰,۰۰۰
کمپنی کے سرمایہ منافع و سود	۳۷,۲۰۰,۰۰۰
۱۸۵۷ء کے غدر کے اخراجات	۴۰,۰۰۰,۰۰۰
	۱۱۲,۲۰۰,۰۰۰

برطانیہ کو برداشت کرنا چاہئے اور لاریب ہندوستان کو غیر منصفانہ اقتصادی ذمہ داریوں سے بری کرنا چاہئے جو محض غلطی سے اس پر ڈال دیا گیا تھا۔

برطانوی حکومت کا دور

۱۸۵۸ء کے بعد سے حکومت ہند نے جو قرضے کئے اُسے دو صورتوں سے دکھایا ہے (۱) پیدا آور (۲) غیر پیدا آور۔ مؤخر الذکر قسم میں (الف) بیرون ملک سے جنگ (ب) متفرقات (ج) قحط اور (د) نقصانات تبادلہ اور اسی طرح کے اخراجات شامل ہیں۔

(الف) بیرون ملک سے جنگیں

بیرونی جنگوں میں ۴۷ کروڑ سے زیادہ حکومت نے صرف کر ڈالا۔ ابیسینا (Abyssinia) فوج روانہ ہوئی، افغانستان کی دوسری جنگ مصر، برہما اور سرحد کی جنگیں سب کی سب برطانوی شاہی اقتدار و سیاست کے کامیاب بنانے کے لئے لڑی گئیں اور کمیٹی کی رائے میں یہ سارے اخراجات حکومت انگلستان کو برداشت کرنا چاہئے۔ کیونکہ اسی کے فوائد کے لئے یہ ساری جنگیں ہوئیں اور

وہی اس سے مستفید بھی ہوئی۔ اپنی اس رائے کی تائید میں کمیٹی نے لارڈ سالسبری، لارڈ ناتھ بروک وزیر ہند، سر چارلس ٹریویلین لارڈ لٹن مسٹر فوکٹ، گلیڈ اسٹون، گوکھیل سر ڈی۔ ای۔ واچا وغیرہ کی رایوں کا اقتباس پیش کیا ہے۔

یورپ کی جنگ عظیم کے موقع پر جو رقوم ہندوستان سے لیکر صرف ہوتے اس کی دو تقسیم کی گئی۔ اخراجات جنگ، اور عطیۂ جنگ "عطیہ" کے نام سے انگلستان نے ۱۸۹ کروڑ ہندوستان سے جنگ کے لئے وصول کر لیا۔ کمیٹی نے ہر دو اخراجات پر اعتراض کیا ہے اور اس کے استرداد کی سفارش کی ہے:" عطیہ کے بارہ میں اُس کا خیال ہے کہ حکومت ہند کو اُن قوانین کے ماتحت جس سے اس کی قانونی تشکیل ہوئی ہے عطیہ کرنے کا کوئی حق ہی نہیں تھا اور یہ عطیہ غیر قانونی ہے جسے واپس ہونا چاہئے' دوسری وجہ اس کے مطالبہ کی یہ بھی ہے کہ عطیہ کے پیش کرنے میں ابنائے ملک کی صلاحیت کو نظر انداز کر دیا گیا، حقیقت میں ملک کسی طرح بھی اس قدر کثیر رقم کے پیش کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا تھا، ہندوستان نے مالی امداد کے علاوہ جس قدر جانی اور مادی امداد بہم پہنچائی تھی، اس کا مقابلہ انگلستان کی کوئی نو آبادی نہیں کر سکتی۔

اسی جنگ عظیم کے سلسلہ میں ہندوستان کو ۱۷ کروڑ مزید صرف کرنا پڑا۔ مذکورۂ بالا رقم کا حساب اس طرح لگایا گیا ہے کہ اوسط فوجی خرچ کا ایک پیمانہ قائم کرنے کے بعد جو ہندوستان کے استحفاظ و استحکام کے لئے ضروری ہو سکتا ہے جس قدر بھی زیادہ صرف ہوا اس کو ناجائز و ناروا قرار دیتے ہوئے اُسے الگ میزان کر لیا گیا پس ۱۶-۱۹۱۵ء سے ۲۱-۱۹۲۰ء تک جس قدر بھی مقررہ پیمانہ سے زیادہ صرف کیا گیا، اس کی میزان ۱۷ ملین آجاتی ہے، اور اُس کی واپسی کا بھی مطالبہ کیا گیا ہے۔

غرض یہ جنگیں جو برطانوی مقاصد کے پورا کرنے کے لئے کی گئیں اور جن کے اخراجات کا ناروا اور غیر منصفانہ بار ہندوستان پر ڈالا گیا اس کی میزان ۳۹۷ کروڑ آجاتی ہے اور کمیٹی نے اُس کے مسترد کرنے کی سفارش کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ سارے اخراجات انگلستان کو ادا کرنا چاہیئے جو اس سے مستفید ہوا اور جس نے اپنے مقاصد کے لئے ان جنگوں کو روا رکھا۔

(ب) متفرقات

اس عنوان کے ماتحت دفتر ہند کے اخراجات عدن، ایران

اور چین کی سفارتوں کے اخراجات، کلیسائی اخراجات، مندرج کئے جاتے ہیں اور اُن تمام اخراجات کی میزان ۲۰ میلین پاؤنڈ ہوتی ہے یہ تمام اخراجات شاہی ہیں، اور ہندوستان کے بجائے ان اخراجات کو انگلستان کے خزانہ سے ادا کرنا چاہیئے تھا اس جگہ بھی کمیٹی نے ۲۰ میلین پاؤنڈ کے مسترد کرنے کی سفارش کرتے ہوئے اپنی تائید میں میجر جنرل کولن، مسٹر اسٹیفن جیکوب سی۔ ایس۔ آئی۔ اور ولبی کمیشن رپورٹ کے اقتباسات پیش کئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ ان رقوم کو ہندوستان پر ڈالنا سراسر ناانصافی ہے۔

برہما کمیٹی نے اُن رقوم پر بھی اعتراض کیا ہے، جو حکومت برہما کے گھاٹے کو پورا کرنے کے لئے اکثر و بیشتر ہندوستان سے دیا جاتا رہا ہے، نیز توسیع ریلوے اور اُس کے خسارے کو پورا کرنے میں نیز استحفاظ کے سلسلہ میں بھی مطالبات کا ایک حساب تیار کیا ہے۔ جسے یا تو برہما کے مالیات پر ڈالنا چاہیئے یا خود انگلستان کو برداشت کرنا چاہیئے۔

۱۵ کروڑ کی رقم ملکی انتظامات کے سلسلہ میں ۲۲ کروڑ کی رقم خسارہ ریلوے اور ۱۸۸۶ء سے لیکر اس وقت تک ایک کروڑ روپیہ سالانہ بمد خرچ استحفاظ جس کی مجموعی رقم ۵۴ کروڑ ہوتی ہے جملہ ۸۲ کروڑ

کی رقم کا مطالبہ برہما کے اخراجات کے سلسلہ میں کمیٹی نے کیا ہے جسے انگلستان کو چاہیئے کہ ہندوستان کو ادا کرے۔(کمیٹی کے ایک ممبر نے اس سے اس وجہ سے اختلاف کیا ہے کہ برہما ہندوستان کا ہمیشہ ایک ٹکڑا رہا ہے اور جب تک اُسے علیحدہ نہ کیا جائے یہ مطالبہ ناروا ہے)

نقصانات تبادلہ

حکومت کے زر اور تبادلہ کی پالیسی نے جو عظیم اقتصادی نقصان ملک کو پہنچایا ہے اور سکہ کی قیمت کو فرضی طرح پر بڑھا دینے سے ملک کے چاندی کی دولت کو ارزاں کر دیا ہے اس سے ملک کی تجارت کو بحد نقصان ہوا ہے۔ بہر حال ان نقصانات تاوان یا معادضہ کی وصولی کے بارہ میں رپورٹ نے کوئی سفارش نہیں کی ہے۔

کونسل بل کی بکری

وزیر ہند اپنے مطالبات وطن کے پورا کرنے کے لئے اکثر انگلستان ہی میں ہندوستان کے نام سے ہنڈیاں فروخت

کرتے ہیں۔ اس طریقہ سے جو مالی نقصان ہندوستان کو ہوا ہے اُس کا حسابی اندازہ ۳۵ کروڑ ہے اور رپورٹ نے اس کی واپسی کی سفارش کی ہے۔

ریلوے

اس سلسلہ میں کمیٹی نے متعدد وقیع اعتراضات کئے ہیں، اول جن کمپنیوں کو ریلوے کی تعمیر کا ٹھیکہ دیا گیا اُن کے ساتھ بیجد مراعات برتی گئیں، ہر ریلوے کمپنی کو اس کی ضمانت دی گئی کہ اُن کے سرمایہ پر ایک مقررہ سود حکومت خود ادا کرے گی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تعمیرات ریلوے میں روپیہ کے صرف میں کافی احتیاط نہیں برتی گئی بعض حالتوں میں تو اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت کے اپنے اخراجات کے مقابلہ میں ان کمپنیوں کا خرچ دوگنا ہو گیا ہے۔ تعمیرات ریلوے میں زیادہ تر جنگی ضروریات اور نقطہ نگاہ کو پیش نظر رکھا گیا۔ اور اس پر بھی اس کا خرچ ملک کے منفعت بخش اور پیدا آور صیغہ میں درج کیا گیا۔ ان اخراجات کا زیادہ تر حصہ "جنگی اخراجات" کے صیغہ میں درج ہونا چاہیئے تھا پھر بھی رپورٹ نے ان بہت سی فروگذاشتوں کو نظر انداز کر دیا ہے اور صرف عدن، صوبہ سرحد

کی تعمیرات ریلوے کے اخراجات کی واپسی کا مطالبہ کیا ہے کیونکہ ان کے جنگلی اخراجات کے ہونے میں کسی کو کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں عدن کا خرچ تو ہندوستان کا خرچ بھی نہیں۔

اس بنا پر صرف ۳۳ کروڑ روپیہ کا مطالبہ روا رکھا گیا ہے، جو ان متذکرہ بالا جنگلی تعمیرات ریلوے کے اخراجات کا ٹوٹل ہے۔

ریلوے کمپنیوں کی میعاد کے اختتام پر حکومت نے جو اس کی خریداری کی تو اس وقت بھی من مانی قیمت ادا کی گئی، ریلوے حصص کی خریداری اور اسباب ریلوے کی قیمت بازار پر جو اس وقت بہت گراں تھی ادا کی گئی۔ کمیٹی کے خیال میں اگر معاملات کے چکانے میں حزم واحتیاط اور مآل اندیشی سے کام لیا جاتا تو کم از کم ۵۰ کروڑ روپیہ بچا لیا جا سکتا تھا۔ اور بدیں وجہ رپورٹ نے اس کی سفارش کی ہے۔ اس لئے حکومت انگلستان کو ۵۰ کروڑ روپیہ ادا کرنا چاہیئے۔

اس لین دین میں ہندوستان کو جس قدر شرح تبادلہ کی خرابی کے سبب نقصانات ہوئے ہیں اُن کے پورا کرنے کی سفارش بھی رپورٹ میں مذکور ہے۔

مزید پیدا آور صیغہ جات مثلاً نہر۔ ڈاک۔ تار کے نقصانات کے

متعلق رپورٹ نے کوئی مطالبہ نہیں کیا ہے۔ ہر چند کہ نئی دہلی اور
بمبئی کی خلیج بیک Back کی تعمیرات پر سختی سے نکتہ چینی کی ہر
مزید تقسیم کے لئے ان تمام حسابات کو جو اس تمہ میں مختلف
موقعوں پر درج ہیں دوبارہ ایک جگہ حسابی انداز میں پیش کیا جاتا
ہے تاکہ تفہیم میں سہولت ہو۔ وہو ہذا:۔

کمپنی کے دور حکومت کے اخراجات	روپیہ کروڑ کے حساب میں
غیر ملکی جنگ	۳۵ کروڑ روپیہ
کمپنی کے سرمایہ و سود کی ادائیگی	۳۷ 〃
وصولی اخراجات غدر	۴۰ 〃
	۱۱۲

تاج برطانیہ کے دور حکومت کے اخراجات	
غیر ملکی جنگ	۳۷ کروڑ روپیہ
"عطیہ جنگ" یورپ	۱۸۹ 〃
اخراجات جنگ عظیم	۱۷۱
	۳۹۷
اخراجات متفرقات	۲۰
〃 صوبہ برہما	۸۲

اخراجات نقصانات بکری ہندی	۳۵ کرور روپیہ
" ریلوے	۸۳ "
میزان	۷۲۹

حکومت کے موجودہ قرضے کی میزان ۱۱۰۰ کروڑ روپیہ ہوتی ہے رپورٹ نے مسکت استدلال و شواہد کے ساتھ محض چند موٹی موٹی رقوم کی واپسی کا مطالبہ کیا ہے جس کی میزان ۷۲۹ کروڑ ہو جاتی ہے ورنہ اگر زیادہ سختی اور غور و فکر سے حساب کیا جائے تو یہ مطالبہ اس قدر زیادہ ہو جائے کہ تمام قرضوں کی وصولی کے بعد بھی تقریبًا ۵۳۶ کروڑ روپیہ انگلستان کے ذمہ گر جائے، مگر رپورٹ نے اسی قدر سفارش پر اکتفا کیا ہے کہ اگر حکومت خود اختیاری کے نفاذ پر ہندوستان کو ہر قسم کے قرضوں ہی سے بری کر دیا جائے تو اس سارے برباد کن واقعات پر پردہ ڈال دیا جا سکتا ہے۔

تتمہ الف

دیہاتی و شہری آبادی مطابق مردم شماری سنہ ۱۹۲۱ء

قسم دیہات و شہر	تعداد دیہات و شہر	آبادی فیصد دیہات و شہر	شمار آبادی
۱	۲	۳	۴
دیہات ۵۰۰ آبادی کے اندر	۵۱۷،۰۳۶	۳۰٫۱۰	
۱۰۰۰ لغایت ۲۰۰۰	۱۵۲،۲۵۹	۴۳٫۰۵	
۲۰۰۰ لغایت ۵۰۰۰	۱۵،۹۶۵	۱۴٫۱۳	
		۸۷٫۲۸ فیصدی	
دیہاتی آبادی کا میزان کل:-			۲۷۸،۳۴۳،۶۰۴
شہر ۵۰۰۰ لغایت ۲۰،۰۰۰	۲۳۸۸	۶٫۰۹	
۲۰،۰۰۰ لغایت ۱۰۰،۰۰۰	۲۵۳	۲٫۹۷	
۱۰۰،۰۰۰ سے زیادہ	۳۴	۲٫۵۳	
		۱۱٫۵۹ فیصدی	۳۷،۶۰۲،۲۸۶
بلا تشخیص آبادی	۴۶	۱٫۱۳ فیصدی	۲،۹۶۶،۵۹۰
		۱۰۰ فیصدی	۳۱۸۰۹۴۲،۴۸۰

اس نقشہ سے ظاہر ہوگا کہ جب تک دیہاتی آبادی کے اقتصادی ابھار اور سدھار کا بندوبست نہ ہوگا ملک کا بام ترقی پر جانا قدرتاً محال ہے۔

تقسیم آبادی مطابق پیشہ و صنعت

۱۔ خام اجناس کے پیدا کرنیوالے (یعنی کاشتکار)	۷۳٫۱۵	فیصدی آبادی
۲۔ صنعت و تجارت، حمل و نقل میں مشغول رہنے والے	۱۷٫۵۹	″
۳۔ حکومت کے صیغۂ انتظامی کے ارکان فوج و پولیس وغیرہ	۱٫۵۲	″
۴۔ پیشہ ور لوگ	۱٫۵۹	″
۵۔ متفرقات	۶٫۱۴	″
	۱۰۰٫۰۰	

نوٹ:۔ اس نقشہ کے دیکھنے سے عیاں ہو جاتا ہے کہ ہندوستان کے مسئلہ کا اصلی حل یہ ہے کہ زراعت پر سے غیر ضروری آبادی کا بار اُٹھایا جائے اور انہیں صنعتی اور دیگر کاموں میں لگا دیا جائے۔

تتمہ الف III دس ہزار کی آبادی پر مختلف قوموں کی آبادی کا تناسب اور ان میں پڑھے لکھے اور بے پڑھے کا تناسب

مذہب	تعداد آبادی بحساب فی دس ہزار	تعلیمیافتہ: تعداد مرد	تناسب	تعداد عورت	تناسب	میزان	غیر تعلیمیافتہ: تعداد مرد	تناسب	تعداد عورت	تناسب	میزان	میزان کل	کیفیت
ہندو	۶٫۸۵۶	۴۰۴	۱۱٫۵۳	۴۶	۱٫۲۸	۴۵۰	۳۱۰۲	۸۸٫۴۷	۳۴۰۴	۹۸٫۷۲	۶۰۴۶		یہ آبادی زیادہ بنگال پنجاب یوپی اور بہار میں ہے۔
مسلمان	۲٫۱۷۴	۹۲	۸٫۱	۸	۰٫۷۳	۱۰۰	۱۰۴۷	۹۱٫۹	۱٫۰۹۷	۹۹٫۲۷	۲۰۷۴		
بدھ	۳۶۶	۸۴	۴۸٫۴۴	۱۲	۶٫۱۹	۹۶	۸۹	۵۱٫۵۶	۱۸۱	۹۳٫۸۱	۲۷۰		بدھ آبادی زیادہ تر برہما میں ہے
لامذہب	۳۰۹	۲	۱٫۴	۰۰	۰٫۱۲	۲	۱۵۳	۹۸٫۶	۱۵۴	۹۹٫۸۸	۳۰۶		
یوروپین ۵۱۶، اینگلو انڈین ۳۱۱، دیسی عیسائی ۱۱۱۳	۱۵۱	۲۴	۳۰٫۹	۱۳	۱۸٫۰۴	۳۷	۵۴	۶۹٫۱	۶۰	۸۱٫۹۶	۱۱۴		
سکھ	۱۰۳	۵	۹٫۳۹	۱	۱٫۴	۶	۵۳	۹۰٫۶۱	۴۳	۹۸٫۶	۹۶		
جین	۳۷	۱۰	۵۱٫۳۴	۱	۷٫۶	۱۱	۹	۴۸٫۶۶	۱۷	۹۲٫۴	۲۶		
پارسی	۳	۱٫۳	۸۷٫۷۵	۱	۶۶٫۹۱	۲٫۳	۲٫۲	۲۱٫۲۵	۰٫۴	۳۳٫۰۹	۰٫۷		
یہودی و دیگر اقوام	۲	۰٫۶۵	۵۰	۰٫۲	۲۴	۰٫۸۵	۰٫۶۵	۵۰	۰٫۵	۷٫۶	۱٫۱		
	۱۰٫۰۰۰	۶۲۳		۸۲		۷۰۵	۴۵۰۸		۴۷۸۷		۹۲۹۵		

برطانیہ ہند کی ترقی آبادی اور اُسکی گنجائیت آبادی فی مُربعہ میل کا حساب

(۱۸۷۱ء کو موازنہ کے لئے ایک بنیادی سال بنایا گیا ہے)

(اصولی طور پر ہر دس سالہ دور میں ایک قوم کی ترقی آبادی بحساب دس فیصدی بڑھنا چاہئے)

حکومت کے ہمدرد ترقی آبادی کو ملک کے افلاس کا سبب بنایا کرتے ہیں۔ اور صفحات زیر بحث میں اس مسئلہ پر جو کچھ کہا گیا ہے اس کے سمجھنے کے لئے یہ نقشہ پیش کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے فی مربعہ میل آبادی کا موازنہ انگلستان اور فرانس سے اس لئے کیا گیا ہے کہ فرانس کی آبادی ٹھہری ہوئی رہی ہے اور انگلستان ایک بہت دولت مند ملک ہے

	آبادی فی مربعہ میل			بحساب فی صدی		
مردم شماری کا سال	ہندوستان	فرانس	انگلستان	ہندوستان	فرانس	انگلستان
۱۸۷۱	۲۱۵	۱۷۴	۳۸۹	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰
۱۸۸۱	۲۲۷	۱۸۲	۴۴۵	۱۰۵٫۵	۱۰۴٫۶	۱۱۴٫۴
۱۸۹۱	۲۲۶	۱۸۵	۴۹۷	۱۰۶٫۵	۱۰۶٫۳	۱۲۸
۱۹۰۱	۲۱۰	۱۸۸	۵۵۸	۹۷٫۶	۱۰۸	۱۴۳٫۴

مردم شماری کا سال	آبادی فی مربع میل ہندوستان	فرانس	انگلستان	بحساب فی صدی ہندوستان	فرانس	انگلستان
۱۹۱۱	۲۲۳	۱۸۹	۶۱۸	۱۰۳٫۶	۱۰۸٫۶	۱۵۸٫۸
۱۹۲۱	۲۲۶	۱۸۴	۶۴۹	۱۰۵٫۱	۱۰۵٫۷	۱۶۶٫۸

ملخص

	ہندوستان	فرانس	انگلینڈ اور ویلز
اضافہ نصف صدی کے اثنا میں	۱٫۲	۵٫۷	۶۶٫۸
اوسط اضافہ دس سالہ	۱٫۶%	۱٫۱۵%	۱۳٫۳%

وہ اضافہ جو اصولاً
Normal
۱۰% فی صدی
ہونا چاہیے۔

تتمہ ب

۲۸-۱۹۲۷ء کے زراعتی پیداوار کا ایک نقشہ

جنس	پیداوار زمینوں کا حساب لاکھ میں		مقدار پیداوار لاکھ کے حساب میں	
چاول	۷۶۶	لاکھ اراضی	۲۷۳	لاکھ ٹن
گیہوں	۲۴۶	" "	۹۳	" "
جو	۶۸	" "	۲۱	" "
جوار	۲۱۲	" "	۵۰	" "
باجرا	۱۴۱	" "	۲۴	" "
رائی	۳۸	" "	×	×
مکئی	۵۹	" "	۲۳	" "
بونٹ	۱۴۰	" "	۳۲	" "
دیگر	۲۹۶	" "	×	×
	۱۰۹۶۶			
ترکاریاں، پھل اور مصالحہ	۷۸	" "		
شکر	۳۰	" "	۳۱	" "

جنس	پیداوار زمینوں کا حساب لاکھ میں	مقدار پیداوار لاکھ کے حساب میں
قہوہ	۱	۱۹۱ ″ پاؤنڈ
چائے	۵ ″ ″	۳،۶۱۲ ″ ″
	۳۸	
السی	۲۲ ″ ″	۳ ″ ٹن
تل	۳۵ ″ ″	۴ ″ ″
سرسوں و رائی	۳۳ ″ ″	۸ ″ ″
چنیا بادام	۴۷ ″ ″	۲۵ ″ ″
ناریل	۶ ″ ″	
رینڈی	۶ ″ ″	
دیگر	۱۲ ″ ″	
	۱۶۱	
روئی	۱۴۸ ″ ″	(۴۰۰ بیل) ۱۰۱ ″ بیل
جوٹ	۳۳ ″ ″	
دیگر سنداری اشیا	۷ ″ ″	
نیل و افیون	۱ ″ ″	
تمباکو	۱۱ ″ ″	۶ ″ ″
جانوروں کا چارہ	۹۲	
	۲۹۲	
	۲،۵۳۵	

نوٹ یعنی تقریباً پچیس کروڑ پینتیس لاکھ ایکڑ اراضی سنہ مذکورہ میں آباد کی گئی۔

تتمہ ج

نقشہ درآمد و برآمد سنہ ۲۸-۱۹۲۷ء

۱- برآمد

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
مویشی	۴۷	تعداد	۵۷۰ر۵۳۰
ملبوسات	۲۴	×	
چھال اور پتے	۱۳۳	ٹن	۲۷۰ر۸۷۵
سور اور دیگر جانوروں کے بال	۴۶	ہنڈرویٹ	۱۶۰ر۹۵۰
موم بتی	۱۲	پونڈ	۴ر۳۹۷ر۵۳۳
کوئلہ	۷۷	ٹن	۶۳۴ر۵۰۷
کافی	۲۳۲	ہنڈریڈویٹ	۲۷۶ر۶۶۸
ناریل کا چھال اور پتہ	۱۱۴	ٹن	۳۳ر۵۸۷

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
روئی خام	۴۸۰۱	ٹن	۱۲۸۲،۳۳۶
روئی کا دھاگہ	۱۸۸	پونڈ	۲۴،۶۹۶،۸۹۰
مصنوعات روئی	۶۷۹	گز	۱۶۸،۶۲۳،۷۰۸
ادویات	۳۵	ہنڈریڈویٹ	
رنگ	۱۶۱		۲،۱۴۳،۴۷۱
مچھلی	۸۷		
پھل وترکاری	۱۰۶		
جو	۸۵	ٹن	۷۱،۶۲۸
سیم	۳۹	ٹن	۴۱،۹۷۷
چنا	۲۸	″	۱۷،۵۶۷
جوار	۳۵	″	۲۱،۱۱۵
مسور	۲۹	″	۱۲۰،۵۳۸
مکا	۱۰	″	۹،۴۹۶
مٹر	۹۲	″	۵۷،۲۵۲
چاول	۳،۴۰۱	″	۲،۱۸۶،۷۶۰
گیہوں	۴۴۱	″	۲۹۹،۷۳۳

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
آٹا	۱۳۰	ٹن	۶۰,۴۲۴
دیگر	۳	"	۱,۵۸۱
گوند	۲۰	ہنڈریڈویٹ	۶۶,۶۳۶
سَن	۸۱	"	۴۸۴,۱۴۶
چمڑا	۸۸۱	ٹن	۶۴,۳۸۱
چمڑا (دباغت شدہ)	۹۰۷	"	۲۳,۲۵۶
سینگھ	۹	ہنڈریڈویٹ	۴۳,۱۱۰
جوٹ	۳/۰۶۶	ٹن	۸۹۱,۹۰۷
مصنوعات جوٹ	۵,۳۵۶	تعداد بورہ	۴۶۳,۱۳۹,۷۸۹
	ماٹ : گز		۱,۵۵۲,۷۵۱,۵۹۰
لاکھ	۶۹۹	ہنڈرویٹ	۵۴۳,۵۸۴
ہڈی کی کھاد	۱۲۸	ٹن	۱۲۰,۳۱۲
معدنیات	۸۹۷ مینگنیز	ٹن	۷۰۳,۹۴۹
	دیگر	"	۲۷۳,۷۹۲
ابرک	۹۳	ہنڈرویٹ	۸۲,۵۱۱
کھلی	۳۱۴	ٹن	۳۷۵,۵۹۵

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
کھلی	۳۱۴	ٹن	۲۷۵،۵۹۰
تیل	۱۷۱	گیلن	۱۰،۴۵۸،۲۱۲
افیون	۱۹۹	ہنڈرڈ ویٹ	۶،۲۰۸
موم	۲۴۳	ٹن	۵۱،۱۳۲
لوازم خوراک	۶۱		
ربر	۲۵۷	پونڈ	۲۵۰۴۰۳،۲۶۶
شورہ	۱۲	ہنڈریڈ ویٹ	۹۹،۰۶۳
بیج	۳،۶۷۰	ٹن	۱۰۲۰۹،۹۷۳
ریشم	۳۶ خام	پونڈ	۱۰،۴۳۲،۵۱۹
رر	۷ مصنوعات	گز	۸۸۱،۱۵۴
مصالحہ	۲۴۰	ہنڈریڈ ویٹ	۴۳۷،۵۵۱
شکر	۸	ٹن	۲،۸۹۱
چائے	۳۲۴۸	پونڈ	۳۶۱،۶۱۴،۱۲۴
چورہ چائے	۴	رر	۴،۱۱۴،۶۳۸
تمباکو	۱۰۶	پونڈ	۲۱،۲۴۶،۴۸۹
لکڑی	۱۶۶	مکعب ٹن	۵۰۰،۶۲۴
اون	۶۳۴ خام	پونڈ	۵۰۰،۱۶۵،۸۹۲

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
مصنوعات	۹۷		
دیگر اشیاء	۵۷۰		
	۳۱,۹۱۵ لاکھ		

(یعنی ۳,۱۹,۱۵,۰۰,۰۰۰ روپیہ)

۲۔ درآمد

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
ملبوسات	۱۶۴		
اسباب حرب	۷۱		
مشنری کا تسمہ	۸۷		
کتب	۶۲		
جوتے	۶۷	جوڑے	۲،۷،۲،۹۶۴
سامان عمارت	۱۲۹		
بٹن	۳۲		
گاڑیاں	۱۷		
مرکبات کیمیاوی	۲۶۵		
چینی مٹی	۱۹	ہنڈریڈ ویٹ	۵۳۳،۷۹۵
گھڑیاں	۲۷	تعداد	۶۳۰،۲۴۶
کوئلہ	۶۳	ٹن	۲۷۳،۸۱۸
روئی	۶۷۴	״	۶۶،۰۶۲
دھاگہ (سوتی)	۶۷۹	پونڈ	۵۲،۳۴۴،۵۳۴

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
مصنوعات سوتی	۵،۸۳۶	کپڑا: گز	۲،۰۲۶،۵۲۰،۶۸۰
		سوتی ڈورے۔ پونڈ	۴،۸۵۹،۹۹۷
		کمل ”	۵،۲۲۰،۱۶۶
		شال: تعداد	۸،۳۱۰،۴۴۷
چھری کانٹے	۳۹		
سائیکل	۱۱۸	تعداد	۱۳۸،۷۸۳
ادویات	۱۹۸		
رنگ وغیرہ	۲۶۵		
مچھلی	۳۷		
مصنوعات سن	۳۷	کپڑا: گز	۲،۲۴۳،۲۸۰
		دھاگہ وغیرہ۔ پونڈ	۶۵۹،۹۸۰
پھل وترکاری	۲۰۲		
فرنیچر	۳۱		
شیشہ کا سامان	۴۸۲ تختی[1] وبرتن	مربع فٹ	۲۳،۴۲۵،۳۹۹
غلہ، سٹر اور آٹا	۲۳۱	ٹن	۱۶۰،۸۹۷
گوند ودھونا[2]	۴۰	ہنڈریڈویٹ	۱۸۹،۱۱۸

1. *Sheets.* 2. *Resins.*

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
لباط خانہ	۱۲۷		
سامان آہنی	۵۲۴		
چمڑا	۳۵	ٹن	۲،۱۸۹
گھوڑے	۳۷	تعداد	۴،۰۰۱
اوزار وغیرہ	۷۴۴		
مصنوعات ہاتھی دانت	۲۱	پونڈ	۲۷۶،۵۲۶
جواہرات	۱۵۲		
مصنوعات سن	۲۴	بورا: تعداد	۶،۱۳۱،۱۵۶
		کرمچ: گز	۲،۸۵،۰۲۲
گلایا ہوا چمڑا	۵۷		
شراب	۳۶۷	گیلن	۷،۱۱۸،۴۵۸
مشین	۱،۰۹۴		
دیاسلائی	۳۹		
دھات	لوہا۔اسٹیل ۲،۱۴۴	ٹن	۱،۱۹۷،۲۶۱
	پیتل وغیرہ ۶۹۵	ہنڈریڈ ویٹ	۲،۵۸۸،۱۹۶

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
موٹرکار	۶۱۷	تعداد	۲۵،۹۵۰
تیل	۱،۱۰۸	گیلن	۲۳۴،۶۷۳،۴۲۲
رنگ وغیرہ	۱۵۵		
کاغذ وغیرہ	۳۴۱	ہنڈرڈ ویٹ	۳۹۹،۳۵۰
چینی کا برتن	۸۰		
لوازم خوراک	۶۴۱		
ریلوے سامان	۴۷۷		
سامان ربڑ	۲۷۱		
نمک	۱۷۵	ٹن	۵۹۶،۲۵۰
بیج	۱۸	ہنڈرڈ ویٹ	۸۵،۹۸۰
جہاز	۱۷		
ریشم	خام ۱۴۵	پونڈ	۲۰۳ ۵۶،۲۲۵
	۳۶۰	کپڑا: گز دھاگہ: پونڈ	۲۳،۷۴۰،۶۸۶ ۱،۴۴۰،۶۸۳
صابون	۱۶۱	ہنڈرڈ ویٹ	۴،۲۲،۴۸۹
مصالحہ	۲۵۸	،،	۱،۱۱۸،۷۳۴
کاغذ پتر	۹۲		

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
شکر	۱،۴۹۱	ٹن	۸،۲۲،۹۰۲
چربی	۲۶	ہنڈرڈ ویٹ	۹۳،۵۱۴
چائے	۶۹	پونڈ	۷،۹۹۳،۹۳۳
چائے کا صندوق	۷۲		
تمباکو	۲۹۱	پونڈ	۹،۹۲۸،۰۴۵
سامانِ تزئین[1]	۶۲		
کھلونے اور سامانِ ورزش	۶۴		
چھاتا	۶۲		۲،۹۴،۰۳۶
لکڑی	۸۱		۲۴،۷۴۹
اُون	۴۵	پونڈ	۵،۷۸۱،۹۹۶
مصنوعات	۴۹۲	کپڑا شال قالین	۱۸،۷۷۶،۸۵۵ - گز ۱،۰۸۸،۹۳۹ - تعداد ۴،۹۶۲،۹۱۸ - پونڈ
دیگر	۱،۴۱۳		
	۲۴،۹۸۵		

(یعنی ۲،۴۹،۸۵،۰۰،۰۰۰ روپیہ)

1. Yoilet Requioites

۱۱۱- برآمد ثانی

ہندوستان کی اشیاء درآمد جو دوبارہ دوسرے ملکوں کو بھیجدی گئیں

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار و مقدار
ملبوسات	۱۳	گز	
روئی	مصنوعات ۱۲۱	گز	۲۳,۷۹۱,۲۱۷
ڈورا-دھاگہ	۱۵	پونڈ	۱,۳۸۳,۵۶۴
پھل و ترکاری	۲۰		
گوند و دھونہ	۲۵	ہنڈرڈویٹ	۶۰,۰۴۱
سامان آہنی	۲۶		
دھات	۲۶	ٹن	۲۶,۸۰۸
لوازم خوراک	۳	ہنڈرڈویٹ	۴,۸۵۸
مصالحہ	۳	″	۷,۸۴۶
شکر	۵۵	ٹن	۱۹,۸۱۲
اون: خام	۸۹	پونڈ	۱۲,۷۹۹,۵۹۲
دیگر	۵۵۸		
	۹۵۴		(یعنی ۹,۵۴,۰۰,۰۰۰ روپیہ)

توازن تجارتی (لاکھ میں)

ہندوستانی سامان تجارت کی برآمد		۳۱۰۹،۱۵
بدیسی مالوں کی درآمد	۲۰۴۶،۷۳	
برآمد ثانی	۹۵۴	۲۳۰۷،۱۹
ہندوستان کے حق میں توازن تجارتی		۸۰۱،۹۶
سونا چاندی اور کرنسی نوٹ کی درآمد		۳۲،۱۹
بچتہ ([illegible]) تجارتی توازن ہندوستان کے حق میں		۴۹،۷۷ لاکھ

نوٹ :- درآمد میں ریلوے کے وہ سامان شامل نہیں ہیں جن کی خریداری اسٹیٹ ریلوے کی جانب سے ہوئی ہے۔

اس توازن کا ایک حصہ حکومت برطانیہ نے مندرجہ ذیل صورت میں اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔

کونسل بل وغیرہ دول متحدہ (برطانیہ) کے لئے	۳۷،۷۷
قرضۂ حکومت کا سود	۳۵
	۳۸،۱۲ لاکھ

۴۔ ہندستان کا دوسرے مشہور ملکوں کے ساتھ تجارتی تعلق

ملک	برآمدات ہند بحساب لاکھ روپیہ	درآمد در ہند بحساب لاکھ روپیہ
دول متحدہ برطانیہ (انگلینڈ۔ اسکاٹلینڈ۔ آئرلینڈ)	۷۸،۹۱	۱،۱۹،۲۷
متحدہ امریکہ	۳۵،۹۰	۲۰،۴۴
جرمنی	۳۰،۶۸	۱۵،۳۵
جاپان	۲۹،۰۰	۱۷،۹۰
فرانس	۱۵،۷۷	۴،۳۱
سیلون	۱۵،۱۸	۱،۹۱
اٹلی	۱۲،۶۸	۶،۷۸
بلجیم	۱۰،۸۵	۷،۴۹
جنوبی امریکہ	۱۰،۶۷	۸،۳۳
	۲،۳۹،۶۴	۲،۰۱،۷۸
دیگر ممالک	۷۹،۵۱	۴۸،۰۷
	۳،۱۹،۱۵ لاکھ	۲،۴۹،۸۵ لاکھ

تتمۂ د

حسابات ۱۹۲۷-۲۸ء

۱،۰۰،۰۰۰ = ایک لاکھ = مبلغ عہ،ے اشلنگ ۶ پنس = ۳۶ سین (سکہ امریکہ)

(۱) خالص اخراجات حکومت

	بحساب لاکھ روپیہ	فی صد
قرضجات	۱۸،۴۹،۴۹،۷۳۶	۱۳٫۳ %
حرب	۵۴،۷۹،۴۵،۵،۵۸۱	۳۹٫۴ %
انتظامات ملکی	۵۸،۳۰،۹۱،۶۶۱	۴۱٫۹ %
متفرقات	۷،۵۵،۰۷،۹۸۵	۵٫۴ %
	۱۳۹،۱۴،۹۴،۹۱۳	۱۰۰٫۰۰

تفصیل انتظامات ملکی

	بحساب لاکھ روپیہ	فی صد
عام اخراجات انتظامی	۱۲٫۹۰	۹٫۲۷ %
محکمہ تنقیح	۸۸	۰٫۶۳ %
محکمہ عدالت	۴٫۷۶	۳٫۴۲ %
جیل	۲٫۱۱	۱٫۵۲ %
پولیس	۱۱٫۸۰	۸٫۴۸ %
بندرگاہ	۲۴	۰٫۱۷ %
محکمہ امور مذہبی	۳۲	۰٫۲۳ %
محکمہ سیاسی	۱٫۵۸	۱٫۱۴ %
محکمہ سرحدی استحفاظ	۲٫۵۰	۱٫۸۰ %
محکمہ تحقیقات علمیہ	۹۹	۰٫۷۲ %
" تعلیم	۱۱٫۸۸	۸٫۵۴ %
" طب	۳٫۵۳	۲٫۵۴ %
" صحت	۱٫۷۲	۱٫۲۳ %
" زراعت	۲٫۰۹	۱٫۵۰ %

	بحساب لاکھ روپیہ	فی صد
محکمہ صنعت وحرفت	۶۷	۰٫۴۸ %
″ ہوا بازی	۳۰	۰٫۲۱ %
ہندوستانی اسٹور	۳	۰٫۰۲ %
	۵۸٫۳۰	۴۱٫۹۰ %

(۱۱) حکومت کی بچت آمدنی

	بعد منہا اخراجات از آمدنی خام	بچت آمدنی
محصول درآمد برآمد	۱٫۸ %	۴۷،۳۶،۶۰،۳۳۸
″ آمدنی	۴٫۳ %	۱۴،۷۷،۰۷،۸۶۷
″ نمک	۱۹٫۲ %	۴۵،۳۶،۶۶،۸۹۸
″ افیون	۲۲٫۰ %	۳،۰۷،۵۱،۴۲۹
″ مالگذاری	۱۱٫۹ %	۳۱،۴۳،۹۰،۳۴۵
″ آبکاری وادویات		۱۷،۵۹،۳۹،۳۰۸
″ اسٹامپ		۱۳،۲۸،۲۴،۹۳۳
″ جنگلات		۲،۶۹،۰۸،۱۹۰
″ رجسٹریشن/اندراج قانونی		۷۵،۸۶،۶۱۶

	بحساب لاکھ روپیہ	فی صد
خراج		۸۳,۹۷,۲۸۵
محصولات جدول (یا ابواب)		۴۰,۳۱,۲۷۵
		۱,۳۷,۵۸,۶۴,۴۸۴

محکمہ	آمدنی	خرچ	
ریلوے	۳۸,۷۲,۲۸,۹۴۴	۳۲,۴۰,۳۵,۳۸۱	۶,۳۱,۹۳,۵۶۳
نہر	۲,۸۳,۹۹,۷۳۹	۱,۳۳,۹۰,۷۰۰	۱,۵۰,۰۹,۰۳۹
سود			۵,۹۷,۷۷,۶۸۶
سکہ ڈھکسال	۲,۷۷,۴۶,۱۱۶	۷۰,۱۱,۴۱۳	۲,۰۷,۳۴,۷۰۳
غیر معمولی	۳,۶۱,۹۸,۵۴۳	۴۴,۸۵,۹۱۶	۳,۱۷,۱۲,۶۲۷
			۱,۵۶,۶۲,۸۲,۱۰۲
ڈاک و تار	۳۱,۴۵,۶۶۱	۶۰,۴۵,۶۸۹	۲۹,۰۰,۰۲۸
		روپیہ	۱,۵۶,۳۳,۸۲,۰۷۴

(iii) (پیدا آور) سرکاری قرضہ

		بحساب لاکھ روپیہ
ریلوے ۳۹,۷۱۲	میل	۶۰,۶۸,۷۴
نہر اصلی ۲۲,۴۰۲	"	۱,۱۱,۴۴

	بحساب لاکھ روپیہ
نہر شاخ ۴۴۴،۵۸۷ "	
تار و ڈاک	۱۴،۶۶
جنگلات ۱۱،۰۳،۵۷۹ مربع میل	۱،۴۷
نمک	۸۶
بندرگاہ وزگاپٹم	۱۲۶
بمبئی کے لئے پن[1] بجلی کی تجویز	۷۰
ترقی بمبئی کی اسکیم	۴۱۶
از تجارتی کاروبار	۱،۷۸
	۸۰۰۵،۰۶ لاکھ روپیہ

(یعنی ۸،۰۵،۰۶،۰۰،۰۰۰ روپیہ)

(۴) تفصیل محصولات درآمد و برآمد

محصولات درآمد و برآمد

درآمد	بحساب ہزار روپیہ
ذخیرۂ حرب، اسلحہ وغیرہ	۷۳۱
کوئلہ، کوک، پٹرول	۱۶۰

1. Hydro Electric.

درآمد	بحساب ہزار روپیہ
ٹین	۸۲۰
شراب	۲،۵۵،۹۸
دیاسلائی وغیرہ	۵۳،۷۲
افیون	۳
معدنی تیل	۱،۷۸،۹۲
شکر	۶،۵۱،۱۹
تمباکو	۲،۱۷،۱۳
مصنوعی ریشم۔ دھاگہ۔ پولا	۷،۹۱
روئی؛ پولا اور دھاگہ	۴۱،۴۵
کپڑے	۶،۲۵،۱۷
ریشمی سوتی	۷،۲۶
پورٹ لینڈ کی سیمنٹ مٹی	۹،۹۶
چھاپے کی روشنائی	۳۷
موٹر کار وسائیکل	۸۹،۵۸
ڈیوٹی ۲½٪	۰
مشینری	۲۱،۹۰

	بحساب ہزار روپیہ
حرکۂ[1] انجن ٹنڈرس (Tenders)	۶۸
دیگر اشیاء	۵۳

ڈیوٹی ۱۰ %

لوہا اور اس کا پتر	۵۱,۰۹
ریل پٹریاں اور گاڑیاں	۲۸,۹۴
دیگر اشیاء	۱,۰۷

ڈیوٹی ۱۵ %

اشیاء اکل و شرب	۱,۸۲,۰۹
خام اشیاء	۷۸,۸۵
لوہے کا سامان	۲,۱۹,۲۸
سوت و ریشہ جات (ریشم اور سوت کے علاوہ)	۱,۸۲,۸۸
لچکیلے ٹایر اور ٹیوب ربر	۳۹,۶۰
دیگر اشیاء	۴,۷۹,۲۶

ڈیوٹی ۳۰ %

پارچہ جات ریشمی وغیرہ	۸۸,۲۲
دیگر	۹۶,۰۲

1. Loco motive

برطانوی اور غیر برطانوی مال کی تفریق کرتے ہوئے ڈیوٹی میں امتیاز

غیر معمولی ڈیوٹی

لوہا اور اسٹیل لوہا	
،، برطانوی مصنوعات	۴۴،۷۳
غیر برطانوی مصنوعات مع فاضل ڈیوٹی	۱،۰۸،۴۲
،، ،، ،، بلا فاضل ڈیوٹی	۱،۷۱،۴۱
،، روشنائی قلم وغیرہ	۲۶،۹۲
ریلوے پٹری اور گاڑیاں (سرکاری)	۲۷،۹۳
دیگر آمدنی	۵۰،۵۴
میزان محصولات درآمد	۴۰،۴۶،۱۷

(یعنی ۰۰۰ ر ۱۷، ۶۴، ۴۰ روپیہ)

محصولات درآمد و برآمد	بحساب ہزار روپیہ
برآمد	
چمڑے	٣٧،٣٣
سن ، خام	٢،١٨،٦٩
مصنوعات	٢،٤١،٢٨
چاول	١،٠٦،٥٤
چائے	١،٣٣
حکومت کی اشیاء	٣
میزان آمدنی از محصولات برآمد	٦،٠٥،٢٠
محصولات درآمد و برآمد: متفرقات	١٤،٤٢
کڑورگیری (Land custom)	٢٧،٨٠
محصولات آبکاری — پٹرول وغیرہ ١،٢١،٢٣	٢،١٨،٤١
کراسن کا تیل ٩٧،١٨	
گودام	٤٧
متفرقات	٥،٢١
میزان ...	٢،٦٦،٣١

آمدنی از محصولات درآمد:	۴۰،۴۶،۱۷
″ ″ ″ برآمد	۶،۰۵،۲۰
باقی	۴۹ ۱۷،۶۸
منہا واپسی رقومات	۹۶ ، ۲۷
	۴۸،۲۱،۱۴
منہا اخراجات	۸۴،۸۱

کڑوڑگیری اور محصولات برآمد و درآمد کی بچت آمدنی ۴۷،۳۶،۶۰

(یعنی ۴۷،۳۶،۶۰،۰۰۰ روپیہ بچت آمدنی)

تتمہ د۔ محکمہ حرب (دفاع)

دیگر حکومتوں کے ساتھ ہندوستان کے محکمہ حرب (دفاع) کے اخراجات کا موازنہ اور اس جگہ یہ بھی دکھانا مقصود ہے کہ حکومت کے جملہ اخراجات کے ساتھ اس محکمہ کے اخراجات کا فی صد کیا تناسب پڑتا ہے۔

ذیل کا نقشہ کچھ خفیف ترمیم کے ساتھ اخبار "نیو انڈیا" مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۳۰ء سے یہاں درج کیا جاتا ہے۔ اخبار مذکور نے یہ معلومات مسٹر آرنلڈ ٹوئنبی کی کتاب "بین الاقوامی حالات کا مطالعہ" سے کیا اور اس بارہ میں خود صاحب مصنف کا ماخذ لیگ اقوام کی شائع کردہ کتاب "سالنامہ حربی" Armament year Book.

ملک	سنہ	بحساب پاؤنڈ اسٹرلنگ	فیصد اخراجات
ہندوستان	۲۸-۱۹۲۷ء	۴۲,۶۱۷,۵۳۵	٪ ۲۹، ۴۵

(بہ منہا قرض خدمات)

ملک	سنہ ۱۹۲۵-۲۶ء	بحساب پاؤنڈ اسٹرلنگ	فی صد اخراجات
چین	"	۲۰,۵۹۲,۱۸۸	۴۳٫۱۳ %
پولینڈ (بہ منافع پنشن اور قرض خدمات)	"	۱۳,۸۴۸,۸۸۸	۳۱٫۵۸ %
پرتگال (ایضاً ایضاً)	"	۴,۳۴۷,۱۴۶	۲۷٫۳۹ %
جاپان	"	۴۷,۲۳۵,۹۶۹	۲۶٫۵۷ %
ہسپانیہ	"	۲۵,۵۸۹,۷۷۰	۲۵٫۹۷ %
سویٹزرلینڈ	"	۳,۳۸۳,۷۵۸	۲۵٫۸۳ %
لیٹویا	"	۱,۶۲۱,۳۰۱	۲۵٫۲۷ %
اطالیہ	"	۴۵,۸۹۵,۷۴۰	۲۳٫۴۶ %
ایستھونیہ	"	۱,۰۲۲,۸۸۰	۲۳٫۴۶ %
چیلی	سنہ ۲۷"	۵,۳۵۶,۶۲۴	۲۳٫۳۲ %
میکسیکو	سنہ ۲۷	۷,۵۳۶,۲۷۱	۲۳٫۰۲ %
یونان	سنہ ۲۷-۲۸	۵,۰۱۷,۷۸۴	۲۱٫۹۲ %
فرانس	سنہ ۲۷	۶۳,۳۶۸,۶۳۵	۱۹٫۷۵ %
جیکوسلاویا	سنہ ۲۶-۲۷	۸,۷۴۲,۷۵۳	۱۹٫۲۹ %
لیتھونیا	سنہ ۲۷	۸,۰۱۰,۸۲۹	۱۹٫۰۵ %

ملک		بحساب پاؤنڈ اسٹرلنگ	فی صد اخراجات
بولیویا	سنہ ۲۵	۵,۹۰,۶۱۲	۱۹٫۰۳ %
سویڈن	سنہ ۲۸-۲۹	۷۰,۵۹۷,۰۲۷	۱۸٫۷۹ %
پیرو	سنہ ۲۷	۱,۴۳۳,۷۶۶	۱۸٫۶۳ %
ارجنٹائنا	سنہ ۲۶	۲۱,۵۹۶,۵۴۵	۱۸٫۱۹ %
بلغاریہ	سنہ ۲۷-۲۸	۱,۸۳۰,۰۸۰	۱۷٫۷۹ %
برازیل	سنہ ۲۷	۷,۷۲۳,۲۷۳	۱۷٫۵۲ %
زیکوسلاواکیا	سنہ ۲۷	۱۰,۲۷۴,۳۹۰	۱۷٫۳۶ %
ارگوائی URUGUAY	سنہ ۲۵-۲۶	۱,۵۴۴,۲۴۸	۱۷٫۰۷ %
دول متحدہ امریکہ	سنہ ۲۷-۲۸	۱۲۰,۱۷۸,۱۳۰	۱۶٫۰۹ %
سویٹ روس	سنہ ۲۵-۲۶	۶۴,۴۲۷,۰۵۵	۱۶٫۰۱ %
فنڈلینڈ	سنہ ۲۷	۳,۱۱۸,۰۸۲	۱۵٫۹۱ %
ایکوڈور ECUADOR	سنہ ۲۷	۳,۱۴,۰۲۶	۱۵٫۸۸ %
کیوبا	سنہ ۲۸-۲۹	۲,۵۳۷,۰۵۲	۱۵٫۰۵ %
برطانیہ عظمیٰ مع شمالی آیرلینڈ	سنہ ۲۷-۲۸	۱۲۰,۶۹۵,۰۰۰	۱۴٫۷۵ %
نیدرلینڈ	سنہ ۲۷	۷,۸۴۸,۳۰۹	۱۳٫۰۶ %

ملک		بحساب پاؤنڈ اسٹرلنگ	فی صد اخراجات
ڈنمارک	سنہ ۲۷-۲۸	۲،۲۲۵،۲۱۹	۱۲٫۱۹ %
ناروے	سنہ ۲۷-۲۹	۲،۲۲۱۴،۱۳۷	۱۰٫۳۱ %
ہنگری	سنہ ۲۶-۲۷	۳،۹۸۹،۹۳۵	۹٫۷ %
آیرلیش فری اسٹیٹ (آزاد آئرلینڈ)	سنہ ۲۷-۲۸	۲،۴۸۰،۱۸۰	۷٫۶۹ %
بلجیم	سنہ ۲۷	۳،۴۸۰۰۸۰	۷٫۶۷ %
جرمنی	سنہ ۲۷-۲۸	۳۲،۱۳۷،۳۸۴	۷٫۱۶ %
اوسٹریلیا	سنہ ۲۶-۲۷	۵،۵۵۶،۰۰۰	۶٫۲۵ %
آسٹریا	سنہ ۲۷	۲،۳۱۸،۰۸۱	۶٫۳۷ %
نیوزی لینڈ	سنہ ۲۷-۲۸	۹،۵۸،۳۲۱	۳٫۹۱ %
یونین آف ساؤتھ افریقہ	سنہ ۲۷-۲۸	۱،۱۲۵،۹۰۰	۳٫۱۶ %

مندرجۂ بالا اعداد و شمار سے واضح ہوجاتا ہے کہ اخراجات حرب میں ہندوستان سب سے اوّل ہے اور خود امپائر برطانیہ کے دوسرے ارکان بھی اس معاملہ میں ہندوستان سے پیچھے ہی پیچھے نظر آتے ہیں۔

تتمہ ۵

سالانہ فوجی اخراجات

(از جے۔ سی۔ کماں رپا)

اخراجات فوجی کے متعلق مسٹر کماں رپا نے کانگریس رپورٹ متعلق قرضہ جات حکومت کے متفقہ سفارشات کے علاوہ ایک علیحدہ دستاویز پیش کی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ ہندوستان اپنے اخراجات فوجی میں دیگر بڑی بڑی حربی طاقتوں سے سبقت لے گیا ہے اور ان کے مقابلہ میں اول نمبر پہ ہے۔ بلکہ اس صرفے کے باعث ہندوستان کے پیداوار اور دولت کو بے حد نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔

دیگر سلطنتوں کے ساتھ ہندوستان کے اخراجات فوجی کا ایک موازنہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

شمار بہ لحاظ افضلیت	نام ملک	آمدنی کے تناسب سے اخراجات فوجی
۱	ہندوستان	۴۵٫۲۹
۲	جاپان	۲۶٫۵۷
۳	اٹلی	۲۳٫۴۶
۴	فرانس	۱۹٫۷۵
۵	متحدہ امریکہ	۱۶٫۰۹
۶	برطانیہ	۱۴٫۷۵
۷	جرمنی	۱۴٫۱۶

نقشہ بالا سے ہندوستان اور انگلستان کی اپنی آمدنی کے لحاظ سے اخراجات کا تناسب واضح ہو جاتا ہے۔ نیز یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ دیگر بڑی بڑی طاقتیں اپنے وسیع رقبہ سلطنت و نو آبادیات کے رکھنے کے باوجود اپنی آمدنی کا کس قدر حصہ محکمہ فوجی پر صرف کرتی ہیں۔ پھر حسرتناک امر یہ ہے کہ ہندوستان اپنے محکمہ فوجی پر اس قدر صرف کرنے کے بعد بھی ان افواج کو اپنی "وطنی" افواج نہیں کہہ سکتا کیونکہ ۱۸۵۷ء کے بعد سے یہ افواج اپنے حکمرانوں کی طرف سے ہندوستان پر قبضہ و اقتدار قائم رکھنے کے لئے مقرر ہیں، ابتدائی دور حکومت میں انگریز سپاہی کم تھے۔ مگر احتیاط کے تقاضوں سے مجبور

ہوکر اس میں ترقی دی جاتی رہی۔ پہلے انگریزی اور ہندوستانی سپاہیوں کا تناسب ۱-اور ۵ کا تھا۔ اب ۱ (انگریز) اور ۲ (ہندوستانی)[1] کا تناسب ہوگیا ہے۔ انگریزی افواج کی افزونی کے اسباب ایک سے زیادہ ہیں۔ تقاضائے احتیاط۔ اخراجات کی سہولت، مہارت تعلیم کی آسانیاں اور اسی طرح کے سیکڑوں فوائد ہیں جس کی وجہ سے انگریزی افواج کے تناسب کو اس قدر بڑھا دیا گیا ہے۔

شہنشاہی مقاصد کے انصرام کے لئے ان افواج کو دنیا کے جس گوشہ میں ضرورت ہوتی ہے، بھیج دیا جاتا ہے اور اُن کے اخراجات بھی ہندوستان کے سر ہوتے ہیں۔ گویا مشرقی سمندروں میں یہ عظیم الشان جنگی چھاؤنی اس لئے قائم کردی گئی ہے کہ ملک پر قبضہ واقتدار قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ شہنشاہی مقاصد بھی ہر جگہ پوری کرتی رہے جب ہندوستان کا محکمۂ فوجی زیادہ تر شہنشاہی مقاصد ہی کو پورا کرتا رہتا ہے اور مزید براں جب ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ انگریزی فوج کا خرچ ہندوستانی فوج کے مقابلہ میں دوگنا ہوتا ہے تو لازم ہے کہ ان اخراجات میں انگلستان کو ضرور شرکت کرنا چاہئے۔ ویلبی کمیشن کی رپورٹ میں بھی مسٹر بوکانن Buchanan نے بھی ان ہی خیالات کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ہندوستان کے

1. India Expenditure Commision 1895 VOL. II P. 149

استحفاظ کے نام سے محکمہ فوجی پر جو صرف ہوتا ہے، اس سے انگلستان کے شہنشاہی مقاصد کا زیادہ تر انصرام ہوا کرتا ہے۔ اس چیز نے انگلستان کو دنیا کی ایک بڑی طاقت بنا دیا ہے حقیقت میں یہ ہندوستان ہی کی افواج تھیں جو برطانیہ کے لئے کبھی نیپال میں لڑیں، اور کبھی موریشس، سیلون اور سنگاپور، اور دیگر ممالک پر جا قابض ہوئیں۔ ان صاف و صریح فوائد کی بنا پر جو شہنشاہیت برطانیہ کو ہندوستانی افواج سے ہر لحظہ پہنچتا رہتا ہے۔ انگلستان کا ہندوستان کے فوجی اخراجات میں شرکت کا مسئلہ غیر مشتبہ طریقہ پر ثابت ہو چکا ہے۔ شرکت کا تناسب کیا ہو گا یہی ایک مسئلہ تصفیہ طلب رہ گیا ہے۔ جسے انگلستان کی رضامندی کے بعد آسانی سے طے کر لیا جا سکتا ہے۔"

۱۹۰۵-۰۶ء میں سر اوکلینڈ کولون وزیر مالیات ہند نے اپنے بیان کے پارہ ۱۳۶ میں یہ تحریر کیا ہے کہ "حالت جنگ کے اخراجات سے قطع نظر کرنے کے بعد ہندوستان کا اوسط فوجی خرچ ۱۵ کروڑ روپیہ سالانہ سے زیادہ نہیں" یہ بیان بطور خود ایک ایسا پیمانہ ہے جس سے نرخ اجناس کی کمی و افزونی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر زمانہ میں ہم بہت خوبی کے ساتھ محکمۂ فوجی کے اخراجات کا اندازہ کر سکتے ہیں

حسب قیمت اجناس کا معائنہ کیا جاتا ہے اور ۱۸۷۳ء کو ایک بنیادی سال قائم کرنے کے بعد سال بسال نرخ نامہ کی جانچ کی جاتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اجناس و اشیار کی قیمتوں میں ۱۹۰۰ء تک کوئی نمایاں فرق پیدا نہیں ہوا۔ اس کے بعد سے قیمتوں میں اضافہ ہوا۔ اور رفتہ رفتہ ۱۹۱۰ء تک ۲۲ فی صدی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا۔ اسی طرح ۱۹۱۵ء تک اشیار کا نرخ دوگنا ہو گیا۔ نرخ کا مذکورہ بالا حساب سامنے رکھ کر فوجی اخراجات کا حساب بھی آسان ہو جاتا ہے۔ ۱۵ کروڑ کے اوسط تخمینہ کو سامنے رکھ کر اور افزونی قیمت کو اضافہ کرتے ہوئے۔ حسابات کی صورت یہ ہو جاتی ہے۔

سنین	اضافہ قیمت فیصدی	میزان بشمول اوسط سالانہ خرچ معہ اضافہ قیمت اشیار
از ۱۸۵۹-۶۰ء لغایت ۱۹۰۰ء	×	۱۵ کروڑ
؍؍ ۱۹۰۰ء ؍؍ ۱۹۱۵ء	۳۳½	۲۰ ؍؍
؍؍ ۱۹۱۵ء ؍؍ ۱۹۳۱ء	۱۰۰	۳۰ ؍؍

اس حساب کی صحت کی جانچ بھی اس طرح ہو جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ۱۸۷۵ء کے ۱۵ کروڑ سالانہ خرچ کے تخمینہ کے مقابلہ میں اصلی خرچ ۱۴،۶۶ کروڑ ہوتا ہے۔ اور ۱۹۱۵ء میں جب ۳۲½ فیصدی کے اضافہ کے سبب تخمینہ ۲۰ کروڑ کا ہو گیا تو اس سال ۳۰،۸۶ کروڑ

خرچ ہوا۔ بہرحال اعادہ و تکرار کے خطرہ کے باوجود اسے یہاں پھر واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وزیر مالیات کا یہ تخمینہ بھی ہماری ضرورتوں کے لحاظ سے بجید زیادہ ہے۔ اور اگر ہماری وطنی افواج ہوتیں تو اس کے سالانہ اخراجات کی میزان بدرجہا کم ہوتی مگر لطف تو یہ ہے کہ ہندوستان کے فوجی اخراجات اس پیمانہ پر بھی قائم نہ رہے۔ اور خرچ میں دن بدن زیادتی ہوتی گئی۔

بہرحال ذیل میں ایک نقشہ اس امر کے دکھانے کے لئے پیش کیا جاتا ہے کہ اگر ہندوستان کے محکمہ فوج میں ۱۵ کروڑ (مقررہ شدہ پیمانہ) بہ اضافہ قیمت اشیاء سال بسال صرف ہوتا رہتا تو ۱۸۵۹ء سے اس وقت تک اس کی میزان کیا ہوتی۔

سنین	تعداد سال	پیمانہ خرچ سالانہ	حساب	میزان کروڑ
۱۸۵۹-۶۰ء لغایت ۱۸۹۹-۱۹۰۰ء	۴۰	۱۵	(۴۰×۱۵)	۶۰۰
۱۹۰۰-۰۱ء ,, ۱۹۱۴-۱۵ء	۱۵	۲۰	(۲۰×۱۵)	۳۰۰
۱۹۱۵-۱۶ء ,, ۱۹۳۰-۳۱ء	۱۶	۳۰	(۳۰×۱۶)	۴۸۰
				۱۳۸۰

مندرجہ بالا حساب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ہندوستان کا اوسط سالانہ فوجی خرچ سر آکلینڈ کے مقرر کردہ پیمانہ کے مطابق ہوتا رہتا تو ۱۹۳۰-۳۱ء میں آکر اس رقم کی میزان ۱۳۸۰ کروڑ ہوتی۔

حساب

سنہ ۱۸۵۹-۶۰ء لغایت سنہ ۱۹۳۰-۳۱ء کا اصلی سالانہ فوجی خرچ :- ۲۱۲۸،۳۴
مطابق حساب علحدہ تمتہ و

سنہ ۱۸۵۹-۶۰ء لغایت سنہ ۱۹۳۰ء خرچ مطابق پیمانہ مندرجہ بالا جو منہا کیا گیا } میزان ۱۳۸۰،۰۰
باقی ۷۴۸،۳۴

سنہ ۱۸۶۰ء لغایت سنہ ۱۹۰ء رپورٹ کے مستردشدہ جنگی اخراجات } ۴۷،۵

اخراجات جنگ عظیم (مستردشدہ رپورٹ) ۱۶۰،۷

۲۰۸،۲۰

کروڑ ۵۴،۱۴ کرور

اب اس لئے اوسط تخمینہ اور اصلی اخراجات کی میزان کا تفاوت لائق ملاحظہ ہوجاتا ہے اصلی خرچ حقیقت میں اس قدر زیادہ ہے کہ تمامی ان رقوم کو منہا کرنے کے بعد بھی جسے رپورٹ نے ناجائز صرف تجویز کرنے کے بعد مسترد کردیا ہے۔ خاصی رقم باقی رہجاتی ہے اور جو قدرتی طرح پر انگلستان کے ذمہ گرجاتی ہے ۔

تتمہ و

سالانہ اخراجات فوجی

(جس کا حوالہ تتمہ ۵ میں دیا گیا ہے)

سنہ ۱۸۵۹-۶۰ء لغایت سنہ ۱۹۲۰-۲۱ء کے فوجی اخراجات کے اعداد و شمار کے۔

ٹی۔ شاہ کی کتاب
(شصت سالہ مالیات ہند) سے لئے گئے ہیں۔ جسے خود بخود مصنف نے سرکاری کاغذات سے حاصل کئے تھے سنہ ۱۹۲۰-۲۱ء سے سنہ ۱۹۲۸-۲۹ء تک کے اعداد و شمار کے خلاصے گزٹ آف انڈیا مؤرخہ ۱۱ اپریل سنہ ۱۹۳۱ء سے حاصل کیا گیا ہے۔
تمامی رقوم لاکھ کے حساب میں درج ہیں۔

سال	رقوم	میزان	سال	رقوم	میزان
سنہ ۱۸۵۹-۶۰	۱۹٫۳۸	۱۹٫۳۸	سنہ ۱۸۷۱-۲	۱۵٫۱۱	
	—		سنہ ۱۸۷۲-۳	۱۴٫۶۴	
سنہ ۱۸۶۰-۱	۱۶٫۴۷		سنہ ۱۸۷۳-۴	۱۴٫۴۵	
سنہ ۱۸۶۱-۲	۱۳٫۲۵		سنہ ۱۸۷۴-۵	۱۳٫۶۹	
سنہ ۱۸۶۲-۳	۱۲٫۵۲		سنہ ۱۸۷۵-۶	۱۴٫۶۶	
سنہ ۱۸۶۳-۴	۱۲٫۲۱		سنہ ۱۸۷۶-۷	۱۵٫۳۲	
سنہ ۱۸۶۴-۵	۱۲٫۱۷		سنہ ۱۸۷۷-۸	۱۷٫۷۲	
سنہ ۱۸۵۵-۶	۱۲٫۵۳		سنہ ۱۸۷۸-۹	۱۸٫۳۲	

سال	رقوم	میزان
سنہ ۱۸۶۶-۷	۱۲٫۰۸	
سنہ ۱۸۶۷-۸	۱۲٫۳۳	
سنہ ۱۸۶۸-۹	۱۵٫۵۸	
سنہ ۱۸۶۹-۷۰	۱۶٫۲۰	
	—	۱۳۶٫۸۸
سنہ ۱۸۷۰-۱	۱۵٫۵۴	
سنہ ۱۸۸۴-۵	۱۷٫۳۶	
سنہ ۱۸۸۵-۶	۲۰٫۰۹	
سنہ ۱۸۸۶-۷	۲۱٫۱۲	
سنہ ۱۸۸۷-۸	۲۱٫۱۲	
سنہ ۱۸۸۸-۹	۲۱٫۱۲	
سنہ ۱۸۸۹-۹۰	۲۱٫۵۶	۲۰۲٫۰۸
	—	
سنہ ۱۸۹۰-۹۱	۲۱٫۶۱	
سنہ ۱۸۹۱-۹۲	۲۴٫۵۴	
سنہ ۱۸۹۲-۹۳	۲۳٫۹۸	
سنہ ۱۸۹۳-۹۴	۲۴٫۳۲	
سنہ ۱۸۹۴-۹۵	۲۵٫۷۳	۱۲۰٫۱۸

سال	رقوم	میزان
سنہ ۱۸۷۹-۸۰	۲۲٫۲۹	۱۶۱٫۷۴
	—	
سنہ ۱۸۸۰-۱	۲۷٫۵۹	
سنہ ۱۸۸۱-۲	۱۶٫۹۶	
سنہ ۱۸۸۲-۳	۱۸٫۰۸	
سنہ ۱۸۸۳-۴	۱۷٫۹۹	
سنہ ۱۸۹۶-۹۷	۲۴٫۵۶	
سنہ ۱۸۹۷-۹۸	۲۷٫۰۳	
سنہ ۱۸۹۸-۹۹	۲۴٫۳۱	
سنہ ۱۸۹۹-۱۹۰۰	۳۳٫۰۷	۱۲۴٫۳۶
	—	
سنہ ۱۹۰۰-۱	۲۳٫۲۱	
سنہ ۱۹۰۱-۲	۲۴٫۲۴	
سنہ ۱۹۰۲-۳	۲۶٫۴۵	
سنہ ۱۹۰۳-۴	۲۷٫۲۱	
سنہ ۱۹۰۴-۵	۳۱٫۰۴	
سنہ ۱۹۰۵-۶	۲۹٫۵۱	
سنہ ۱۹۰۶-۷	۳۰٫۲۵	

سال	رقوم	میزان	سال	رقوم	میزان
			۱۹۰۷-۸ء	۲۸،۸۷	
۱۸۹۵-۹۶ء	۲۵،۳۹		۱۹۰۸-۹ء	۲۹،۴۰	
۱۹۰۹-۱۰ء	۲۸،۶۶	۲۷۸،۸۴	۱۹۲۱-۲۲ء	۶۹،۸۱	
			۱۹۲۲-۲۳ء	۶۵،۲۶	
۱۹۱۰-۱۱ء	۳۱،۸۹		۱۹۲۳-۲۴ء	۵۶،۵۲	
۱۹۱۱-۱۲ء	۲۹،۳۳		۱۹۲۴-۲۵ء	۵۵،۶۳	
۱۹۱۲-۱۳ء	۲۹،۳۴		۱۹۲۵-۲۶ء	۵۵،۹۴	
۱۹۱۳-۱۴ء	۲۹،۸۴		۱۹۲۶-۲۷ء	۵۵،۹۷	
۱۹۱۴-۱۵ء	۳۰،۸۰		۱۹۲۷-۲۸ء	۵۴،۷۹	
۱۹۱۵-۱۶ء	۳۳،۳۹		۱۹۲۸-۲۹ء	۵۵،۱۰	
۱۹۱۶-۱۷ء	۳۷،۴۸		۱۹۲۹-۳۰ء	۵۵،۱۰	۶۱۱،۲۵
۱۹۱۷-۱۸ء	۴۳،۵۶				
۱۹۱۸-۱۹ء	۶۶،۷۲		۱۹۳۰-۳۱ء	آر-ای	۵۴،۳۰
۱۹۱۹-۲۰ء	۸۶،۹۷	۴۱۹،۳۲			
۱۹۲۰-۲۱ء	۸۷،۳۸		میزان ۲۱۲۸،۳۳ کروڑ روپیہ		

National Industrial Conference Board.

The report of the Congress Select Committee on the Financial Obligations between Great Britain & India. Bombay, 1931.

The Report of the Indian Fiscal Commission 1921-22

The Satistical Abstract of British India.

State-man's Year Book.

The Indian Economic Journal Allahabad.

The Mysore Journal of Economics, Banglore City.

Minutes of Evidence on the Affairs of the East India Company.

SHAH, K. T. *Sixty Years of Indian Finance*, 2nd, Ed., *Trade, Tariffs and Transport in India*, 1923.

...AND KHAMBATTA. *The Wealth Taxable Capacity of India*, London, King and Son, 1925.

SHIRRAS, G. F. . *Indian Finance and Banking*, London, Macmillan, 1920. *Report on an Enquiry into Working Class Budgets in Bombay*, Government Central Press, 1923. *The Science of Public Finance*, London, Macmillan, 1925.

SMITH, H. B. LEES. *India and the Tariff Problem*, London, Constable, 1909

VAKIL C. N *Our Fiscal Policy*, Bombay, Taraporewalla. 1923. *Financial Developments in Modern India*, London, King & Son, 1924.

VAKIL, C. N. and MURANJAN. *Currency and prices in India*, London, and Son 1927.

VISVESVARAYA. SIR M. *Reconstructing India*, London, King and Son, 1920.

WACHA D. E. *Indian Railway Finance*, Madras, Natesan 1912.

WADIA, P. A. *The Wealth of India*, London, Macmillan. 1925.

WADIA, P. A. AND JOSHI, *Money and Money Market in India*, London, Macmillan, 1926.

WILLIAMS, RUSHBROOK. *India in 1923-24*.

YUSUF ALI, A *The Making of India*, *London, Black*, 1915 *Cost of Government in the United States*,

MATTHAI, JOHN. *Village Government in British India*, London, Fisher Unwin, 1915.

MEHTA, N. B. *Indian Railways : Rates and Regulrtions*, London, P. S. King and Son, 1927.

MOOKHERJI, RADHAKUMUD. *A History of Indian Shipping* New York, Longmans, 1927.

MUKHERJI, RADHAKAMAL. *Foundations of Indian Economics*, New York, Longmans, Green, 1916. *Principles of Comparative Economics*. London, P. S. King and Son, 1922. *Borderlands of Economics*, London, Allen and Unwin, 1925. *The Rural Economy of India*, New York, Longman, 1926.

PAUL, K. T. *The British Connection with India*, London, Student Christian Movement, 1927.

PECK, H. W. *Taxation and welfare, New York, Macmillan, 1925.*

PILLAI, P. *Economic Conditions in India*, London, Routledge, 1925.

RANADE, M. G. *Essays on Indian Economics*. Madras, Natesan, 1916.

RUDERFORD, V. H. *Modern India*, London Labour Publishing Co., 1927.

SAMADDAR, J. N. *The Economic Condition of ancient India*, Calcutta University, 1922.

SELIGMAN, E.R.A. *Studies in Public Finance*, 1925

Essays in Taxation, 1925.

The Shifting and Incidence of Taxation, 1927.

HUNTER, SIR WM. *The India of the Queen and other* Essays. 1903.

HYNDMAN, H. M. *Bankruptcy of India, 1888;* The Truth About India.

IYER, K. V. *Indian Railways*, London, Milford, 1924.

JEVONS, H. S. *Exchange and Indian Currency*, London, Milford, 922.

KALE, V. G *Indian Industrial and Economic Problems*, Madras, Natesan; *Gokhle and Economic Reforms*, Poona, Aryabhsunan Press, *Indian Economics, 6th Ed.* 1917, Poona, Aryabhushan Press

KUMARAPPA J. C. *A Survey of Matar Taluka*, Ahmedabad. Navajivan Press, 1931.

LAJPAT RAI *England's Debt to India*, New York, B. W. Huebsck, 1917.

Unhappy India, Calcutta, Banna Publishing Co, 1928.

LOVEDAY, A. *History and Economics of Indian Famines*, London, Bell, 1914.

LUTZ, H. L. *Public Finance*, New York, Appleton, 1925

MACAULAY, LORD. *Essays & Biographies*, London, Longman. Green and Co.

MAC DONALD, J.R. *The Awakening of India*, London, Hodder Stoughton, 1910. *The Government of India*, London, Viking, 1920.

MARSHALL, A. *Industry and Trade*, London, Macmillan, 1920.

COYAJEE, J. C. *Indian Fiscal Problem* Patna, Patna University, 1924.

DAVENPORT, H.J. *Economics of Enterprise*, New York, Macmillan, 1925.

DUBEY, D. L. *The Indian Public Debt*, Bombay, Taraporewalla and Son, 1930.

DIGBY, WM. *Ruining of India : Indian Problem for English Consideration. 'Prosperous' British India*, London, Unwin, 1901.

DUTT, R. C. *Economic History of India, 1902, India under Early British Rule, India in the Victorian Age*, London, Kegan, Paul, Trench ; *Famines in India*. Truberner and Co.. 1906.

GADGIL, D. R. *The Industrial Evolution of India*, London, Milford, 1924.

GHOSE, S. C. *Indian Railway Rates*, Government Press, 1918, *Lectures on Indian Raly. Economics*.

HAMILTON, C. J. *Trade Relations between England and India*, Calcutta, Thacker Spink, 1919.

HAMILTON, SIR D. *India : Her Present and future*, Calcutta. *Calcutta Review, 1916*.

HERBER, BISHOP. *Journal of Travels*.

HOBSON, J. A. *Work and Wealth*, London, Macmillan, 1916.

HOLLAND, W.E.S. *The Indian Outlook*, London, Edinburgh House Press, 1917.

HOWARD, H. F. *India and Gold Standard*, Calcutta, Thacker Spink, 1911.

حوالے

وہ کتب جس سے اس کتاب کے لکھنے میں
مدد لی گئی اور حوالے دئے گئے

ADAMS, BROOKS. *The Law of civilisation and Decay*, New York, Macmillan, 1921.

AMBEDKAR, B.R. *The Problem of the Rupee*, London, King and Son, 1923.

ANSTEY, VERA. *The Economic Development of India*, London, Longmans Green and Co. 1929.

BADEN-POWELL, B. H. *Land System of British India*, Oxford, Clarendon Press, 1892 *Land Revenue in British India* Oxford. Clarendon Press. 1913

BAL-KRISHNA. *Commercial Relation between England and India*, London, Routledge, 1924.

BANERJEA, P A. *Study of Indian Economics*, London, Macmillan and Co *Indian Finance in days of the Company*, Macmillan and Co 1928. *Provincial Finance in India*, Macmillan and Co 1929 *A History of Indian Taxation*, Macmillan and Co. 1930.

BLUNT, W. S. *India under Ripon* London, T. and F. Unwin. 1909.